

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

جولائی 2023

ذوالحجہ / محرم الحرام

ماہ نامہ ذوق و شوق کراچی



تبلیغ نبوی

پانچ منٹ کا مدرسہ

حصہ اول

محرم الحرام تا جمادی الثانیہ

اعلیٰ طباعت



✿ مساجد و مدارس اسکول و کالجز اور گھروں

میں تربیت کے لیے مفید کتاب

✿ روزانہ پانچ منٹ کی تعلیم کے لیے اہم ہدایات

✿ نصابی تقاضوں کے مطابق سوال و جواب پر مشتمل

✿ معاشرتی و اخلاقی موضوع سے متعلق روزانہ ایک آیت

حدیث مسنون دعا کا انتخاب اور عمل کرنے

کی تدابیر و قیمتی نصائح

اب موبائل ایپلی کیشن
میں بھی دستیاب ہے۔

مستند
مجموعہ وظائف



GET IT ON
Google Play



کراچی فون: 021-34976339، موبائل: 0309-2228899

لاہور فون: 042-37112356، موبائل: 0321-8566511

Visit us: www.mbi.com.pk [f maktababaitulilm](https://www.facebook.com/maktababaitulilm)

بیت العلم

پیغام نبوی

ارشاد علی نقیؑ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنو عبد القیس کے لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مرحبا!“ (یعنی آپ کا آنا مبارک ہو)۔

(بخاری: ۵۲، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

عزیز ساتھیو! کبھی ہم لوگ کسی کے ہاں مہمان بن کر جاتے ہیں اور کبھی دوسرے دوست احباب، رشتے دار، عزیز و اقارب ہم سے ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ وہ ہمارے ہاں مہمان بن کر آتے ہیں تو ایسے موقع پر ایک بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے کہ ہم آنے والے مہمانوں کا اچھے انداز، مسکراتے چہرے اور خوشی کے ساتھ استقبال کریں، یعنی ان کے آنے پر خوشی کا اظہار کریں۔

مثال کے طور پر ہم مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ سے ان کا اچھے انداز سے خوشی سے استقبال کر سکتے ہیں۔ جسے ”جی آئی انوں“، ”خوش آمدید“، ”بھلی کری آیا“، ”پہنچیر رانگلے“، ”مرحبا“ وغیرہ۔ ان تمام الفاظ سے ایک خوشی کا اظہار جھلکتا ہے کہ آپ کا آنا مبارک ہو۔ مہمان یہ سمجھے کہ ہمیں انھوں نے بوجھ نہیں سمجھا۔

اور اس طرح خوشی کا اظہار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ ہے۔ میزبان کے جو آداب ہیں، وہ ان کا خیال رکھیں اور مہمان کے جو آداب ہیں وہ ان کا خیال رکھیں تو یہ ملاقات کرنا اور ملنا جلنا، خوشی، رحمت اور راحت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مسئلہ اور پریشانی تب ہوتی ہے جب دونوں، یعنی میزبان اور مہمان کے جو آداب ہیں، ان کا خیال نہ رکھا جائے، پھر یہ ملنا جلنا زحمت اور دشواری کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

پیغامِ اکی

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورہ لقمان: 18)

”(بیٹا!) یقین جانو، اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔“

عزیز دوستو! حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ بڑائی، تکبر، فخر، غرور، گھمنڈ اور اترانا جیسے بُرے اخلاق سے اپنے آپ کو دُور رکھے۔ آیت مبارکہ کے اس حصے میں حضرت لقمان علیہ السلام اس کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایسا اترانے والا اور فخر کرنے والا انسان اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنا محبوب اور پسندیدہ بنالیں، یہ اُس کے لیے ایسا اعزاز اور انعام ہے جس سے بڑا کوئی اعزاز اور انعام نہیں۔ اس اعزاز کے حاصل ہونے میں جو چیز رکاوٹ ہے وہ دوسروں کو کم تر اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے۔ جس شخص میں یہ بات موجود ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُس سے محبت نہیں فرماتے، جو یقیناً سب سے بڑی محرومی ہے۔

لہذا ہمیں جو خوبیاں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے دی ہیں، اسی طرح ہمیں اگر امتحان میں اچھے نمبر مل جاتے ہیں اور ہمارے کسی ساتھی کے نمبر کم آتے ہیں تو ہم اپنے اچھے نمبروں پر الحمد للہ کہیں، لیکن دوسرے ساتھی کو حقیر نہ سمجھیں اور نہ ہی کسی کا مذاق اڑائیں۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو کم تر سمجھنا اچھی بات نہیں، اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، کیا پتا جسے ہم کم تر سمجھ رہے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کا کتنا پسندیدہ ہو!

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

01

مذاق

جولائی

2023

جھلکیاں

پیش محمد عارف رشید نے کچھ کی تعلیمی و تحقیقی و اصلاحی خاطر اپنی حیرت انگیز سیرت کا کچھ لکھ لیا۔



ذوق شوق

ماہ نامہ
کراچی
زیر سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دہلوی
ذوالحجہ ۱۴۴۲ ۱۲ جری
جلد: 18

شمارہ: 07
ناشر: محمد عارف رشید
مجلس ادارت

- مدیر اعزازی: عبدالعزیز
- معاون: محمد طلحہ شاہین
- معاون: زبیر عبدالرشید
- ڈیزائنر: سید ناصر
- کمپوزر: سعد علی
- نگران ترسیل: منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
قیمت عام شمارہ 200 روپے
2500/= بذریعہ عام ڈاک
2250/=

ماہ نامہ ذوق شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔
یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمائیں۔

خط کتابچہ: ماہ نامہ ذوق شوق ہٹی۔ اوپیکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی
Email: zouqshouq@hotmail.com
ذوق شوق / zouq shouq f

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں
0324-2028753, 0320-1292426
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00
دوپہر 2:30 تا 6:00

0320-1292426 :
(نوٹ: جازیکش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر وائس ایپ کر دیں۔)

علیک

سلیمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!



امید ہے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے اور اپنی چھٹیوں کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔
آپ نے اپنی چھٹیوں کا کوئی نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) تو بنا ہی لیا ہوگا نا! کہ کہاں کہاں گھومنے جانا ہے؟ تیا، چچا، پھوپھو، ماموں اور خالہ وغیرہ سے
ملنے کب کب جانا ہے؟ اپنے اسکول کا کام کس وقت کرنا ہے؟ وغیرہ۔

ارے! ان چھٹیوں میں آپ ڈھیر ساری مزے دار کتابوں کا مطالعہ بھی تو کر سکتے ہیں نا!

جی ہاں دوستو! تو پھر دیر کس بات کی..... پیارے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ سے شروع کریں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص و واقعات، بزرگوں کی
سوانح، آپ بیتیاں، سفر نامے اور جو آپ کو کتاب اچھی لگے، اپنے بڑوں اور اساتذہ سے پوچھ پوچھ کر پڑھ ڈالیے۔ ایک کتاب کے بعد دوسری، دوسری
کے بعد تیسری۔ ایک ایک کر کے کتاب ہاتھ میں لیتے جائیے اور پڑھتے جائیے۔ اس سے جہاں آپ کی چھٹیوں کا مزہ دو بالا ہوگا وہیں آپ کی چھٹیاں
کارآمد بھی ہوں گی۔

ساتھ ہی آپ ایک کام اور بھی کر سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے بتادیں آپ کو؟ کریں گے ناعمل!؟

کیا کہا؟ دل و جان سے۔

تو سنئے، بل کہ پڑھیے، وہ کام یہ ہے کہ جو کتاب آپ پڑھ لیں اُس کا چار پانچ سطروں میں اپنی ڈائری میں تعارف اور خلاصہ لکھ لیں۔ آپ کی یہ تحریر
آپ کو زندگی بھر کام دے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

چلیے، اب آپ اپنی پسندیدہ کتابوں کی فہرست بنائیں اور اپنے مطالعے کا آغاز کریں۔ اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ ہمیں بتائیے گا کہ کیا پڑھا آپ
نے؟

والسلام

ع

انہوں

نے اپنی ناداری کا عذر پیش کیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اچھا تو وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے

مل کر دفن کیا تھا؟“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی حیران رہ گئے اور عرض کیا:

”بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں،

(کیوں کہ) اس بات کا میرے اور ام الفضل کے علاوہ کسی کو بھی اس

کا علم نہ تھا۔“

(المستدرک للحاکم، ترجمۃ العباس رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس

رضی اللہ عنہ پر سواوقیہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر اُسی اوقیہ فدیہ

لاگو کیا۔

(ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔)

یوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ قیدیوں میں سب سے زیادہ

تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”کیا آپ نے رشتے داری کی وجہ

سے میرا فدیہ اس قدر زیادہ طے کیا ہے؟“

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال کی آیت نمبر: 70

نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے:

”اے نبی! جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں، ان قیدیوں سے

کہہ دیجیے کہ (تم اس فدیے پر افسوس نہ کرو)۔ اگر اللہ تعالیٰ

انہیں

قیدیوں میں

حضور ﷺ کے چچا (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ)

بھی تھے، جنہیں کعب بن عمر ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ حضرت

عباس رضی اللہ عنہ طاقت ور اور مضبوط جسم کے مالک تھے، جب کہ حضرت

ابوالیسر رضی اللہ عنہ کم زور جسم کے مالک اور چھوٹے قد والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے ابوالیسر! تم نے عباس کو کیسے گرفتار کیا؟“

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ایک شخص نے میری مدد کی، جسے میں نے نہ کبھی

اس سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں، اس کی شکل و صورت ایسی ایسی

تھی۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”یقینی بات ہے کہ ایک محترم فرشتے نے تمہاری مدد کی۔“

(الخصائص الکبریٰ، ج: 1، ص: 202)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی رسی کی گرہ سخت تھی۔ رسول اللہ

ﷺ نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز

سُنی تو نیند اُڑ گئی۔ انصار کو جب حضور ﷺ

کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُن کی گرہ

کھول دی اور نبی علیہ السلام سے

درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو

ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں؟

آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا:

”اللہ کی قسم! اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جب فدیے کا مطالبہ کیا گیا تو

سیرِ شہدائی

عبدالعزیز

۴۹

04

مقامِ شہدائی

جولائی

2023



آپ ﷺ نے حضرت عباس اور نوفل رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ دونوں آپس میں دوست تھے اور تجارت میں شریک رہتے تھے۔

(المستدرک للحاکم، ترجمۃ حضرت نوفل بن حارثہ)

انھی قیدیوں میں سے ایک سہیل بن عمر بھی تھے۔ نہایت ہوش یار اور فصیح آدمی تھے۔ مجموعوں میں آپ ﷺ کی بُرائی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! اجازت دیجیے، سہیل کے نیچے کے دودانت اُکھاڑ ڈالوں، تاکہ آپ کے خلاف زبان چلانے کے قابل ہی نہ رہے۔“ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”نہیں، اسے چھوڑ دو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بارے میں کوئی خوش خبری سنائیں۔“

اللہ کی شان کہ صلح حدیبیہ انھی کی کوششوں سے ہوئی، جسے اللہ تعالیٰ نے کھلی فتح فرمایا۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔

ابوسفیان بن حرب کا بیٹا عمرو بھی انھی قیدیوں میں سے تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمرو کو فدیہ دے کر چھڑاؤ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا ایک بیٹا حنظلہ کو قتل ہو گیا اور دوسرے بیٹے عمرو کا فدیہ دوں تو یہ لوگ اسے چھوڑ دیں گے، جب تک قید میں رکھنا چاہیں، رکھیں۔

اسی دوران میں سعد بن نعمان انصاری مدینے سے مکہ، عمرے کے لیے آئے تو ابوسفیان نے انھیں اپنے بیٹے کے بدلے میں پکڑ لیا۔ انصاری کی درخواست پر آپ ﷺ نے ابوسفیان کے بیٹے عمرو کو دے کر سعد بن نعمان کو ابوسفیان کی قید سے چھڑا لیا۔

..... (جاری ہے)

تمہارے دلوں میں کچھ بھلائی دیکھے گا (یعنی یہ لوگ دل سے اسلام میں آئیں گے) تو جو تم سے لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر تمہیں عطا فرمادے گا اور تمہاری مغفرت بھی فرمائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بعد میں فرمایا کرتے تھے:

”کاش! مجھ سے اس وقت بہت زیادہ فدیہ لے لیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا مجھ سے لیا اس سے بہتر اور زیادہ مجھے واپس دے دیا۔ سو اوقیہ کے بدلے میں سو غلام عطا فرمائے، جو سب کے سب تاجر ہیں۔ یہ وعدہ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پورا فرمایا، دوسرا وعدہ مغفرت کا تھا، اس کے پورا ہونے کا بھی میں امیدوار ہوں۔“

(درمنثور، ج: 3، ص: 204)

جنگ بدر میں قید ہونے والے کافروں میں سے ایک نوفل بن حارث بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے فدیہ دینے کو ارشاد فرمایا تو انھوں نے جواب دیا:

”میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو میں فدیے میں دے سکوں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو؟“

نوفل نے کہا:

”خدا کی قسم! اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو بھی ان نیزوں کا علم نہیں تھا، (آپ نے پھر بھی ان کے بارے میں بتا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا ہے، لہذا) میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

پھر نوفل نے وہ نیزے فدیے میں دے دیے۔ ان نیزوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

یہ خبر سن کر مطمئن ہوتے ہی ہیڈ ماسٹر صاحب دونوں استادوں کے ساتھ اسکول روانہ ہو گئے۔

شام سے پہلے فرید محمد کو وارڈ میں منتقل کر دیا گیا، چوں کہ ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا دیا گیا تھا، اس لیے اندازہ نہیں تھا کہ ٹانگ کی کیا صورت حال ہے۔

فرید محمد بے ہوشی کی ادویات کے زیر اثر تھا، ہوش میں آتا تو رونے لگتا، اسے پھر درد کا انجکشن لگا دیا جاتا۔

ایک ہفتے بعد ٹانگ کے ایکسرے ہوئے، جس کے مطابق ٹانگ کی ہڈی بہت بُری طرح سے متاثر تھی، اس لیے ابھی کم از کم تین ماہ تک یہ پلاسٹر اتارنا ممکن نہیں تھا۔

پندرہ دن بعد ہسپتال سے چھٹی مل گئی اور فرید محمد گھر آ گیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب بہت اچھے انسان تھے۔ وہ آتے ہوئے

پھل اور دیگر اشیاء لائے۔ گھنٹے بھر کی عیادت

میں انھوں نے فرید محمد کو بہت حوصلہ دیا۔

انھوں نے بستر پر فارغ پڑے رہنے کی بجائے

اسکول کی تعلیم جاری رکھنے کی بھی تلقین کی۔

یہ ملاقات فرید محمد بہت خوشی کا باعث بنی۔

جاتے ہوئے چپکے سے ہزار روپے بھی وہ اس کے تکیے کے نیچے

رکھ گئے اور فرید محمد سے بہت سے وعدے لے کر رخصت ہوئے۔

اسی شام اسکول کے ایک دوسرے استاد صاحب اسے ضروری

مضامین پڑھانے کے لیے آ گئے۔

جمال دین کو منڈی گئے بیس بانئیں منٹ ہی گزرے تھے کہ اسکول سے فون موصول ہوا: ”آپ فوراً سرکاری ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں پہنچیں۔“

بتانے والے نے بس اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔ جمال دین کا نپتی ٹانگوں، دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ پہنچا تو اسکول کے ہیڈ ماسٹر چودھری نصر اللہ، دو تین استادوں کے ساتھ بے چینی سے وہاں ٹھہل رہے تھے۔ جمال دین کو دیکھتے ہی تینوں اس کی طرف بڑھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا:

”جمال دین! گھبرانا نہیں، تمہارا بیٹا مکمل خیریت سے ہے، بس معمولی سی چوٹ لگی ہے۔ ڈاکٹر اندر اُسی کے پاس ہیں

اور آپریشن کر رہے ہیں۔“

جمال دین اپنے آپ کو ہر طرح کی خبر کے لیے

تیار کر کے آیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس

کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نرم لہجے میں

بولے:

”پریشان مت ہونا جمال دین! بس رکشے کے ٹانگ

پر گزرنے کی وجہ سے ٹانگ زخمی ہوئی ہے۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ نے کسی

بڑے حادثے سے بچایا۔ سڑک پار کرنے کے دوران میں تمہارے

بیٹے کو پتا نہیں چلا اور بے دھیانی میں اچانک سامنے سے آنے والے

رکشے کو نہ دیکھ سکا۔ بس تم دعا کرو، اللہ تعالیٰ اسے کسی بھی طرح کی

معذرویی سے بچائے۔“

جمال دین کی ٹانگوں میں جان نہیں رہی، وہ وہیں بیچ پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر صاحب اور دیگر اسٹاف آپریشن تھیٹر سے باہر

نکلے۔

”ہیڈ ماسٹر صاحب! شکر ادا کریں اللہ تعالیٰ، نے بچے کی جان

بچالی۔ آپ بروقت اسے لے آئے، اتفاق سے سرجن بھی

موجود تھے۔ دعا کریں کہ بچے کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے۔“

۱۹۱

بلا عنوان

قائدہ رابعہ۔ گوہرہ

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز

کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا

جائے گا۔ ”بلا عنوان“ کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجے کی آخری تاریخ 31 جولائی 2023 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

06

مقامی شوق

جولائی

2023

فرید محمد بہت خوش تھا۔ اس کا وقت اچھا گزرا اور اُسے اس گزرے وقت پر افسوس ہوا جب وہ فارغ رہ کر بستر پر لیٹے لیٹے تنگ آ جاتا تھا۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے مہربانی کی اور اُسے اسکول میں ہونے والے سہ ماہی امتحانات میں حصہ لینے کا موقع فراہم کیا۔

گھر میں ایک استاد صاحب ترتیب کے مطابق پرچہ لے کر آتے اور مقررہ وقت پر پرچہ حل کروا کر رخصت ہو جاتے۔ جب نتیجہ تیار ہوا تو خلاف توقع فرید محمد کے نمبر پہلے سے اچھے آئے تھے۔

تین ماہ کے بعد جب پلاسٹر اتر تو اُس کی ٹانگ میں بس معمولی سا نقص تھا، لیکن ابھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے گھر پر رہ کر ہی پڑھنے کی تلقین کی تھی۔

اگلے تین ماہ میں جب وہ سالانہ امتحانات کے لیے امتحانی مرکز میں داخل ہو رہا تھا تو اُس کی ٹانگ میں ہلکا سا لنگڑاپن تھا، لیکن توکل اور اعتماد پہاڑوں سے زیادہ تھا۔

جوں ہی امتحانات مکمل ہوئے گھر آنے والے استاد صاحب نے اسے گلے لگا کر کہا:

”بیٹا! آج میرا آخری دن ہے۔ مجھے امید ہے آپ اب خود آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

”فرید محمد نے ہیڈ ماسٹر صاحب والے ہزار روپے کے نوٹ کو ابا سے ملنے والی ٹیوشن فیس کے ساتھ لفافے میں بند کیا اور اُستاد صاحب کو لفافہ پکڑایا۔ ان کے چہرے پر

دھیمی سی مسکراہٹ آئی اور وہ بولے:

”یہ آپ رکھیں! مجھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی فیس ادا کرنے کی پیش کش کی تھی، لیکن میں نے ان سے بھی رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔“

فرید محمد ہکا بکا ان کا منہ دیکھنے لگا۔

”بیٹا! الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان بنایا۔ ہمیں اسلام کی دولت پر اللہ تعالیٰ کا خاص شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے عمل سے اسلام کی تعلیمات دوسروں تک پہنچائیں، اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کریں، مشکل اور پریشانی میں ایک دوسرے کی ہر ممکن مدد کریں، لوگوں کو حوصلہ دلائیں اور اپنے پیارے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہر ایک کے ساتھ اچھا اور نیکی کا برتاؤ کریں۔

ہمیں چھوٹی موٹی پریشانی اور تکلیف سے گھبرانا نہیں چاہیے، بل کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے دین کے پیغام کو آگے بڑھاتے رہنا چاہیے۔“



آج ہمارے گھروں میں بجلی، قمقمے اور مختلف اقسام کی ٹیوب لائٹ ہونے کے ساتھ ساتھ موم بتی بھی موجود ہوتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موم بتی کا استعمال کم ضرور ہوا ہے، لیکن اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔

موم بتی کا استعمال سینکڑوں سال سے کسی نہ کسی صورت میں ہو رہا ہے۔ یورپ کے گر جاگھروں اور برما کے بدھ مندروں میں عبادت کے وقت موم بتیوں کو جلانے کا رواج بہت قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں سال پہلے سردی سے تیل کے جم جانے اور نایاب ہونے کی وجہ سے یورپ میں چربی کے دیے جلائے جانے لگے، یعنی چربی کو پگھلا کر بیچ میں ڈوری (رسی) پڑوئی جاتی تھی اور اُسے سلگایا جاتا تھا، جو ہلکے ہلکے جلتی رہتی تھی۔ اسے ہی دنیا کی پہلی موم بتی کہا جاتا ہے۔ ”ضرورت ایجاد کی ماں ہے“۔ شاید اسی لیے یورپ جیسے ٹھنڈے علاقے میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

انسان نے رفتہ رفتہ جب آگ جلانا سیکھا تو اُس کے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کرنے لگا۔ شروع میں رات کو خشک لکڑیاں، پتے اور گھاس وغیرہ جلا کر روشنی حاصل کی جاتی،

پھر اس مقصد کے لیے مختلف جانوروں کی چربی استعمال کی جانے لگی، پھر ہاتھوں اور مختلف سانچوں کی مدد سے جانوروں کی چربی سے موم بتیاں بننے لگیں۔

صدیوں تک عبادت گاہوں میں جانوروں کی چربی والی موم بتیاں ہی جلائی جاتی رہیں، مگر اُن موم بتیوں کی خرابی یہ تھی کہ جلنے کے دوران میں ان سے سخت بُو آتی تھی، جو عبادت میں

خلل ڈالتی تھی۔ یہ ایک تکلیف دہ صورت حال تھی، چنانچہ اس صورت حال سے بچنے کے لیے شہد کی مکھیوں کے موم (BEE WAX) سے موم بتیاں تیار کی جانے لگیں۔ یہ موم بتیاں چربی والی موم بتیوں سے بہت بہتر تھیں، کیوں کہ جلنے کے دوران میں نہ تو ان سے بُو آتی تھی اور نہ ہی گرمیوں میں یہ پگھلتی تھیں، البتہ یہ بہت مہنگی ہوتی تھیں، کیوں کہ شہد کے چھتے کی تلاش اور محنت کی وجہ سے اس پر کافی خرچہ آتا تھا۔ یوں غریب لوگ اس کے استعمال سے محروم رہتے تھے۔

موم بتیاں

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

تقریباً دو سو سال پہلے سائنس دانوں نے چربی سے موم بنانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ یہ موم بتی جلنے اور چمک دار روشنی میں بہترین تھی، لیکن چوں کہ یہ موم بتی مہنگی تھی، اس لیے بادشاہوں کے محلات اور گر جاگھروں تک ہی محدود تھی۔ بجلی کے آنے کے بعد سے ممکن تھا کہ آہستہ آہستہ موم بتی کا دور ختم ہو جاتا اور اس کا نام و نشان بھی مٹ جاتا، مگر آج بھی دیہاتوں یا اُن شہروں میں، جہاں گیس وغیرہ نہیں پہنچتی، احتیاطاً موم بتیاں موجود ہوتی ہیں کہ نہ جانے بجلی کب چلی جائے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب مٹی کے تیل کے کنویں دریافت کر لیے گئے اور اُن سے مٹی کا تیل وافر مقدار میں ملنے لگا تو سائنس دانوں نے مٹی کے تیل کے کنوؤں کے کچھڑ پر کیمیائی عمل کر کے پیرافین فیکس (PARAFFIN FAX) اور دوسرے کئی اقسام کے موم تیار کر لیے۔

پیرافین فیکس کی دریافت کے بعد موم بتیوں کی دنیا میں ایک نیا انقلاب آ گیا۔ موم سستا اور وافر تھا، لاکھوں ٹن سالانہ موم



یعنی اس جدید دور میں موم بتیاں بھی جدید شکل اختیار کر گئی ہیں اور رنگ برنگی ہو کر آنے لگی ہیں۔

موم بتی کو رنگین بنانے کے لیے ”آئل کلر“ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ موم بتی بنانے میں ملائم موم استعمال ہوتا ہے۔ ملائم موم والی موم بتی جب بازار میں آئی تو لوگوں کے لیے حیرت کا باعث تھی۔ ایسی موم بتی کی تیاری میں چوں کہ خاص قسم کا کیمیکل استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس کا موم پگھلنے پر جھڑتا نہیں، بل کہ اس کے ارد گرد جم جاتا ہے۔ زمانے کی ترقی کی رفتار سے بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ موم بتی کی جگہ بہت سی چیزوں نے لے لی ہے، تاہم اس کے باوجود موم بتی آج بھی دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔

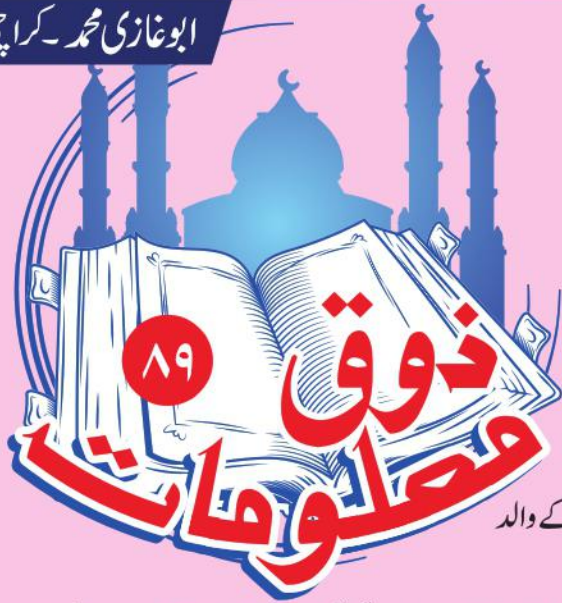
بتیاں بننے لگیں۔ یوں یہ سستی ہونے کی وجہ سے ہر شخص کی دسترس میں آ گئیں۔ آج بھی پیرافین فیکس (مصنوعی موم) سے موم بتیاں تیار کی جاتی ہیں، البتہ انھیں مزید بہتر اور خوب صورت بنانے، گرمیوں میں پگھلنے اور آپس میں جڑنے سے محفوظ رکھنے کے لیے مصنوعی موم کا سہارا لیا جاتا ہے۔

ایلو مینیم کے سانچے بھی موم بتیوں کی تیاری کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ یورپ میں اس مقصد کے لیے مشینوں کی مدد لی جاتی ہے۔ اب عام موم بتیوں کے ساتھ ساتھ منقش موم بتیاں، خوش بُو دار موم بتیاں اور رنگین روشنی پیدا کرنے والی موم بتیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے خاص قسم کے کیمیکل استعمال ہوتے ہیں،

ابوغازی محمد۔ کراچی

یہ گل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱ جولائی تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔



۱ یہ 730ء میں دمشق (شام) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا۔ آپ کے والد کا نام معاویہ بن ہشام تھا۔ آپ کے دادا ہشام، خلافت بنو امیہ کے دسویں خلیفہ تھے۔

۲ 749ء میں جب عباسی خاندان کے پہلے خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح نے دمشق (شام) میں خلافت بنو امیہ کی حکومت کا تختہ الٹا تو آپ عباسی فوج سے بچتے بچاتے شمالی افریقہ جا پہنچے۔ آپ کی والدہ قیوطہ، بربر قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس وجہ سے شمالی افریقہ میں آباد بربر قبائل نے آپ کا بھرپور استقبال کیا۔ اپنے ہاں پناہ دی اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

۳ 756ء میں آپ نے بربروں کی مدد سے یکے بعد دیگرے اندلس (اسپین) کے شہروں کو فتح کیا اور اپنی سلطنت قائم کی۔ 777ء میں فرانس کا مشہور بادشاہ شارلمین، جس سے یورپ کے سب ملک خوف کھاتے تھے، ایک بڑے لشکر کے ساتھ اندلس پر حملہ آور ہوا تو آپ نے جواب میں فرانس پر حملہ کر کے کافی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ شارلمین کو یہ صورت حال دیکھ کر مجبوراً آپ سے صلح کرنا پڑی۔

۴ 786ء میں قرطبہ کی مشہور جامع مسجد آپ نے تعمیر کروائی تھی۔ آپ کی ذاتی توجہ کے باعث اندلس کو دنیا کے چند مشہور علمی اور ثقافتی مراکز میں شمار کیا جانے لگا۔

۵ آپ کا انتقال 788ء میں ہوا۔



بخ بخ

بیگم ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

بی کے سر پر اُولوں کی طرح برس پڑے۔ بطخ بی کے سر پر بڑا سا گومڑ بن گیا۔

اخروٹوں کی بارش سے بطخ بی اپنا بچاؤ کرتے ہوئے جوں ہی ادھر اُدھر ہوئی، ایک موٹا تازہ اخروٹ اس کے انڈوں پر جا پڑا۔ اچانک تڑخ کی آواز گونجی۔ بطخ بی اپنی تکلیف بھول گئی، اس کا دل حلق میں آ گیا۔ وہ چلائی: ”تخ..... تخ..... پخان..... ہائے میرے انڈے!“

ننھی گلہریاں بہت زیادہ گھبرا گئیں۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی درخت سے نیچے اتر آئیں۔ بطخ بی نے انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور پھر اپنے انڈوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ پانچوں انڈوں میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ تڑ..... تڑ..... تڑخ، ایک ایک کر کے سارے انڈے ٹوٹنے لگے۔ آخری انڈا بھی ٹوٹ چکا تھا۔ اندر ایک مریل سا چوزہ چس چس کر رہا تھا۔ بطخ بی بہت شفقت اور نرمی سے اسے اپنی چونچ کی مدد سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ چوزہ زندہ تھا، پر سلامت نہیں تھا، اس کی ننھی منی سی چونچ زخمی نظر آرہی تھی۔ بطخ بی نے دکھی دل سے سر ہلاتے ہوئے کہا: ”آہ میرے ننھے چوزے! تم ٹھیک سے کچھ کھاپی نہیں سکو گے۔ افسوس! تم پانی میں تیرنے سے بھی محروم رہو گے۔ صرف ان شرارتی اور لا پرواہ گلہریوں کی غفلت کی وجہ سے۔“

دو گلہریاں اخروٹ کے درخت پر چڑھی مزے سے اخروٹ توڑ رہی تھیں۔ ایک توڑتی جا رہی تھی اور دوسری کمر پر لدی ٹوکری میں جمع کرتی جا رہی تھی۔ دونوں کے ننھے ننھے ہاتھ مصروف تھے۔ اتفاق سے اخروٹ کے جس درخت پر گلہریاں اخروٹ جمع کرنے میں لگی تھیں، عین اسی درخت کے نیچے بطخ بی انڈوں کے اوپر بیٹھی ہوئی مزے سے دھوپ سینک رہی تھی۔

ٹوکری بھر چکی سارے اخروٹوں ڈگ مگا گئی اور کا وزن سنبھالنے ننھی گلہری کا وزن سنبھالنے ننھی گلہری ایک دو تین، چار، اخروٹ ٹوکری میں سے ایک کر کے انڈوں پر بیٹھی بطخ تھی۔ ڈھیر



کے لیے نفرت بھر گئی۔

☆.....

صبح کا وقت تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ ننھا ننخ تالاب کے کنارے تنہا اور اُداس بیٹھا تھا۔ اسے رہ رہ کر اُن گلہریوں پر غصہ آ رہا تھا جن کی وجہ سے وہ اب تک خوشی سے محروم تھا۔

☆.....

ننھی گلہریوں کو بطخ بی کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر جانا پڑا۔ وہ بہت دکھی اور اُداس تھیں۔ انھیں اخروٹ کا درخت اور اپنا گھر بہت یاد آتا۔ آخر کار، ایک دن وہ اپنے گھر کی محبت میں کھینچی چلی آئیں۔ ہرے بھرے درخت کو دیکھ کر وہ پھولے نہ سمائیں۔ پھر تیلی گلہریاں خوشی سے درخت پر چڑھ کر پھدکنے لگیں۔ بطخ بی چوزوں کے ساتھ تالاب میں ڈبکیاں لگاتے ہوئے تیرتے تیرتے کافی دور جانکلی تھی۔ تالاب کے کنارے بیٹھا ننخ، بطخ بی کو دُور جاتا دیکھتا رہا۔ اچانک اسے بھوک کا احساس ہوا۔ بطخ بی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ننخ نے سوچا، ماں کے واپس لوٹنے کا انتظار کرتا ہوں، مگر پیٹ میں بھوک سے چوہے دوڑنے لگے تو اُسے چارونا چار اُٹھنا ہی پڑا۔ ماں تو روز دانا دنکا خود لا کر کھلا بھی دے دیتی تھی۔ اسے خود سے محنت کرنے کی عادت نہیں تھی، وہ کم ہمت اور کامل چوزہ بنتا جا رہا تھا، پر اب اس بھوک نے اسے کچھ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا آیا۔ جہاں درخت پر بیٹھی گلہریاں بے فکری سے اخروٹ کھانے میں مگن تھیں۔

”اوہ یہ آج مجھے کیوں اتنی زیادہ بھوک لگ رہی ہے؟ اب کیا کروں، مجھے دانا دنکا چکنا تو آتا ہی نہیں۔“ وہ مایوس ہو کر رو رہا تھا، جب دونوں گلہریاں اس کے دائیں بائیں آکر بیٹھ گئیں۔ ننخ نے اب تک گلہری کبھی نہیں دیکھی تھی۔

”کیوں رو رہے ہو؟“ گلہریاں نرمی اور محبت سے بولیں۔

”کیوں کہ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، پر مجھے دانا چکنا

گلہریاں تو پہلے ہی شرمندگی اور ندامت سے چورتھیں، یہ الزام برداشت نہ کر سکیں، وہ اپنی صفائی میں کہنے لگیں: ”بطخ بی! ہم نے جان بوجھ کر آپ کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ درگزر فرما کر ہمیں معاف کر دیجیے۔“

”معافی کی کوئی گنجائش نہیں! یہ درخت، بل کہ یہ جگہ چھوڑ کر یہاں سے ہمیشہ کے لیے بہت دور چلی جاؤ۔“

”ہم بے قصور ہیں۔ معاف کرنا یقیناً بہت بڑی نیکی ہے۔“ مگر غصے سے آگ بگولہ بطخ بی نے درگزر سے کام نہ لیا اور گلہریوں کو وہاں سے در بدر ہونے پر مجبور کر دیا۔

☆.....

ننھا ننخ چلنے پھرنے لگا تھا۔ وہ چلنے کی کوشش کرتا، مگر چلتے ہوئے لڑھک جاتا۔ یہی نہیں، وہ دانا دنکا چکنا چاہتا، مگر اپنی زخمی چونچ کی وجہ سے صحیح طرح کھانا پاتا۔ بطخ بی روزانہ پانچوں ننھے چوزوں کو ساتھ لے کر تالاب کی طرف جاتی، جہاں سوائے ننخ ننخ کے سب مزے سے ٹھنڈے پانی میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے ڈبکیاں لگاتے اور ننخ ننخ ہری ہری گھاس پر اُداس بیٹھا انھیں حسرت سے تکتا رہتا۔ شام ڈھلتی، بطخ بی دانا پانی اپنی چونچ سے ننخ ننخ کے منہ میں ڈالتی۔ کھا پی کر وہ بطخ بی کے پیچھے پیچھے لڑھکتے اور گرتے پڑتے گھر پہنچ ہی جاتا۔ بطخ بی کے چاروں چوزے صحت مند اور بے عیب تھے، بس ننخ ننخ تھوڑا سا زخمی تھا۔ اس کا یہ زخم چند دن میں ٹھیک بھی ہو جاتا، مگر ننخ ننخ نے کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو معذور سمجھ لیا۔

”دیکھو تو چاروں چوزے دن بھر مزے سے کھیتے کودتے رہتے ہیں، اپنا دانا دنکا بھی خود چگتے ہیں اور میں، بھیں..... بھیں.....“ ننخ ننخ اپنے بازوؤں میں منہ چھپائے سسک رہا تھا۔ بطخ بی تاسف سے ننخ ننخ کو روتا ہوا دیکھ کر بولی:

”قصور وار تم نہیں، وہ دو گلہریاں ہیں جن کی غفلت کی وجہ سے

آج تم ایسے ہو۔“ پھر بطخ بی نے ننخ ننخ کو اپنے انڈوں پر

اخروٹ کرنے کا واقعہ سنایا۔ ننخ ننخ کے دل میں ان گلہریوں

نہیں آتا۔“ نخ نخ بولا۔

”بس اتنی سی بات!“ گلہریاں بولیں تو نخ نخ اس بات پر حیرت سے انھیں تکتے لگا۔

”ہاں نا! اتنی سی بات تو ہے۔ دیکھو، تم کتنے بڑے ہو گئے ہو، تمھیں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے خود ہی محنت کرنی چاہیے۔“

”محنت، آہ! میں تو خود سے کچھ نہیں کھا پی سکتا، میری معذوری کی ذمہ دار وہ لا پروا گلہریاں ہیں۔“

نخ نخ کی بات سن کر گلہریاں سکتے میں آگئیں۔

”تم سے یہ کس نے کہا؟“

”میری ماں نے مجھے بتایا تھا کہ اس درخت پر گلہریاں رہا کرتی تھیں، انھوں نے اخروٹ گرا کر انڈا توڑ دیا تھا، جس سے میں زخمی ہو گیا اور اب میں کسی قابل نہیں ہوں۔“ نخ نخ نفرت سے بولتا چلا گیا۔

”مگر یہ تو بھلا چنگا ہے اور اپنا دانا خود چگ سکتا ہے۔“ ایک گلہری نے دوسری کے کان میں کھسر پھسر کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ ہم سے دوستی کرو گے؟“

نخ نخ کو ننھی گلہریاں بہت اچھی لگی تھیں، اس نے دوستی قبول کرنے میں ایک لمحہ بھی دیر نہیں لگائی اور وہ تینوں پکے دوست بن گئے۔ گلہریوں نے نخ نخ سے ایک وعدہ لیا کہ وہ بطخ ماں کو ان کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا، ورنہ اسے دوستی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

نخ نخ کے اتنے دنوں بعد دوست بنے تھے، وہ اپنے دوست ہرگز گنوا نا نہیں چاہتا تھا۔

☆.....

پورا دن تالاب میں گزار کر شام ڈھلتے ہی بطخ ماں لوٹ آئی۔ وہ ناراض تھی کہ نخ نخ بنا بتائے گھر کیوں چلا آیا؟ بطخ ماں نے غصے میں اسے کھانے پینے کے لیے پوچھا بھی نہیں۔ اس نے سوچا: نخ نخ کو اب بڑا اور ذمہ دار ہو جانا چاہیے۔ دوسری طرف نخ نخ کو بھی فرق نہیں پڑا، کیوں کہ اس نے گلہریوں کے ساتھ مل کر کھیل ہی

کھیل میں کھانا پینا سیکھ لیا تھا۔

نخ نخ بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے؟ بطخ بی کے دل میں کھد بد ہونے لگی۔

صبح ہوئی۔ چاروں بچے جاگ کر بھوک بھوک چلا رہے تھے، مگر نخ نخ مزے سے سو رہا تھا۔ بطخ بی بہت حیران ہوئی۔ خیر، نخ نخ کو سوتا چھوڑ کر وہ سب تالاب کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆.....

بطخ بی کے جاتے ہی گلہریاں درخت سے نیچے اتر آئیں۔ وہ اپنے دوست کو جگا کر کھیلنے لگیں۔ وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ جاتیں اور تیزی سے دوڑتی ہوئی نیچے اتر آتیں۔ نخ نخ اس بھاگ دوڑ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ گلہریوں کی مدد سے نخ نخ ڈھیر سارا دانا جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

ادھر بطخ بی چاروں بچوں کو تالاب میں چھوڑ کر واپس پلٹی، اسے نخ نخ کو لے کر سخت تشویش ہو رہی تھی۔ اخروٹ کے درخت پر پھدکتی گلہریوں نے بطخ بی کو اتادیکھ کر نخ نخ کو ہوش یار کر دیا۔

نخ نخ جلدی سے جا کر گھونسلے میں بیٹھ گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک کر رہا تھا۔ بطخ بی کی غصیلی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھا، اگر بطخ بی کو پتا چل گیا کہ میں گلہریوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو..... وہ آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

ہائیتی کا نپتی بطخ بی گھر پہنچی اور نخ نخ کو سوتا پا کر وہ سمجھ گئی کہ کچھ تو ہے جو نخ نخ چھپا رہا ہے۔

خیر کب تک؟

اگلے دن بطخ بی چاروں بچوں کو لے کر تالاب چلی گئی۔ نخ نخ بیدار ہو چکا تھا۔ وہ گلہریوں کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا، اسے سخت بھوک بھی لگ رہی تھی۔

☆.....

آخر ہم کب تک بطخ بی کے بلاوجہ کے غصے سے ڈرتے رہیں گے؟

بقیہ صفحہ نمبر 45 پر

رب کا احسان

رب نے دیا ہم کو ایمان
کتنا بڑا رب کا احسان
خوب عبادت کرنی ہے
بنا ہے اچھا انسان
ساری نمازیں گر پڑھ لو
رب کے بنو گے تم مہمان
گھر کے سارے کام کرو
راضی ہو جائے رحمان
چلتے پھرتے ذکر کرو
اللہ اللہ ہو ہر آن
کوئی گناہ نہ ہو جائے
دور رہے تم سے شیطان
خیال رکھو ہمسائے کا
سچے نبی کا ہے فرمان
صبح سویرے سیر کرو
اور زباں پر ہو قرآن
کیسری! اس کی قدر کرو
رب نے دیا ہے پاکستان

عزیز کیسری۔ کراچی

(سوالیہ)

13

دفعہ شوق

جولائی
2023



دس سال سے زائد عمر کے بچوں کے لیے

۱۲

انومنو کا دسترخوان

انعم توصیف - کراچی

یہ قربانی کا مہینا ہے۔ قربانی کے گوشت سے مزے مزے کی چیزیں کھانے کے ساتھ ساتھ اپنے آس پاس موجود غریبوں کا بھی خیال رکھیے گا۔ ہو سکے تو تھوڑا گوشت یا گوشت سے بنی کوئی چیز آس پڑوس میں بھی بھیجے گا۔ مل بانٹ کر کھانے سے جو سکون ملتا ہے وہ اکیلے بیٹھ کر کھانے میں کہاں؟

اب آتے ہیں اس ماہ کی ترکیب کے اجزا کی طرف۔
اجزا:

آدھا کلو	گائے کا قیمہ
آدھا کھانے کا چمچ	پسی لال مرچ
ایک چائے کا چمچ	دھنیا پسا ہوا
تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	ہری مرچیں
ایک عدد	لیموں (رس)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس دعا کے ساتھ آپ سے ملاقات کا آغاز کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت، عافیت، ایمان کی مضبوطی اور شکرگزاری کی نعمتیں عطا فرمائے اور ہمیں آخرت میں حساب کتاب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

یہ بتائیے کہ پچھلی ترکیبوں میں سے کون کون سی ترکیبیں آپ آزما چکے ہیں؟ کیا!؟ کوئی بھی نہیں۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ ہم جب بھی کچھ پڑھتے ہیں تو اُس پر ہمیں عمل بھی کرنا چاہیے اور جب تحریر مزے دار ہو تو اُسے کھانا بھی چاہیے، میرا مطلب ہے کہ اس تحریر میں لکھی ترکیب کو پکا کر کھانا بھی چاہیے۔

چلیے، اب کچھ بنا لیجیے گا۔ بس یہ یاد رکھیے کہ کھانا پکانا ایک ہنر ہے، جس کی ہمیں ساری زندگی ضرورت پڑتی رہتی ہے، لہذا اس ہنر کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ تو سب کو ہی ہونی چاہیے۔

لہسن ادرک کا آمیزہ	ایک چائے کا چمچ
پسا گرم مسالہ	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچ
دہی	دو کھانے کے چمچ
سونٹھ	دو چمکی
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
کونلہ	ایک عدد
ترکیب:	

کوئلے کی خوش بو بس جائے گی اور باربی کیوکھانے کا مزہ آئے گا۔
تین سے چار منٹ بعد ڈھکن ہٹا دیجیے اور کوئلے والی پیالی کو ہٹا کر
ایک طرف رکھ دیجیے۔ اب اس قیمے سے گول گول، گیند کی طرح کے
کباب بنا لیجیے۔ ہاتھوں پر ہلکا ہلکا تیل لگا کر کباب بنائیے گا، اس سے
قیمہ آپ کے ہاتھوں پر نہیں چپکے گا۔ اب ان گول کبابوں کے درمیان
اپنی انگلی سے سوراخ کر دیجیے۔ اس طرح گول مٹول کباب بنا کر فریج
میں رکھ لیجیے۔ جب آپ کے کھانے کا وقت ہو تو اُس وقت فریج سے
نکال کر فرانگ پین میں ذرا سا تیل ڈال کر کبابوں کو تیل لیجیے۔ ایک
جانب اچھی طرح سنہری رنگ آ جائے تب ہی دوسری جانب پلٹیے۔
دونوں جانب اچھی طرح سنہری رنگ آ جائے، تب نکال لیے گا۔

یہ کباب بنانا ذرا بھی مشکل نہیں ہیں اور ان کا ذائقہ بھی انتہائی
لذیذ ہوگا، ان شاء اللہ! کباب کو سلاد اور رائتے کے ساتھ دسترخوان پر
سجائیے، خود بھی کھائیے اور گھر کے باقی افراد کو کھلا کر خوب داد سمیٹے۔
بقر عید کے حوالے سے انومو کی یہ ترکیب ان شاء اللہ آپ کو ضرور
پسند آئے گی، لیکن تب جب آپ اسے آزما کر دیکھیں گے۔

ان شاء اللہ! ملیں گے اگلے ماہ ایک اور مزے دار اور آسان
ترکیب کے ساتھ۔ ترکیب کا نام آپ خود رکھیے گا اور ترکیب پسند
آنے پر انومو کو عادی نامت بھولے گا۔
انومو کی طرف سے آپ سب عید قرباں کی ڈھیروں
مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ حافظ!

سوال آدھا، جواب آدھا ﴿۲۶﴾ کے درست جوابات

- ۱ دوسری منزل میں۔
- ۲ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 248 میں۔
- ۳ نعت۔
- ۴ احسان دانش۔
- ۵ جنوبی رہوڈیشیا۔
- ۶ 85 فی صد۔
- ۷ چھ۔
- ۸ ترش پھل، ٹماٹر، لیموں، بند گوبھی وغیرہ۔
- ۹ بہت سارے بے وقوفوں میں تھوڑی عقل رکھنے والا بھی لائق سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور کھانا پکانے کا آغاز کرتے ہوئے ہاتھ
دھو کر اب چلتے ہیں اجزا کی جانب اور تیار کرتے ہیں مزے دار کھانا۔
ایک صاف ستھرا پیالا لیجیے، اس میں قیمہ رکھیے اور تیل اور کوئلے
کے علاوہ تمام اجزا ڈال کر اچھی طرح کس کر لیجیے۔ اب اس سارے
مکچر کو گرائنڈر مشین میں ڈال کر اچھی طرح پیس لیجیے، اس طرح کہ
تمام اجزا ایک جان ہو جائیں۔ گرائنڈر مشین کو چلانے کے لیے گھر
میں کسی بڑے کی مدد لیجیے۔

بجلی کی کوئی بھی مشین چلانے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔
استعمال کے بعد اچھی طرح تسلی کرنی چاہیے کہ بٹن بند کر دیا ہے۔ اور
سب سے اہم بات، گیلے ہاتھ سے کبھی بھی مشین کے تار کو ساکٹ میں
نہیں لگانا چاہیے، اس سے کرنٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ چھوٹی
چھوٹی باتیں ابھی سے سیکھ لیں گے تو ان شاء اللہ! زندگی میں آگے
بہت کام آئیں گی۔

اب پسے ہوئے قیمے کو پیالے میں نکال لیجیے اور کونلہ چولھے پر گرم
کر لیجیے۔ کونلہ سرخ ہو جائے تو اسٹیل کی کوئی چھوٹی صاف پیالی قیمے
کے پیالے میں بیچ میں رکھ دیجیے، اور پھر کونلہ، چمٹے کی مدد سے اٹھا کر
اُس چھوٹی پیالی پر رکھ کر تیل کے تین چار قطرے کوئلے کے اوپر ڈال
کر جلدی سے ڈھکن ڈھک دیجیے، اس طرح کہ ذرا بھی دھواں
پیالے سے باہر نہ جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ تمام اجزا میں

☆ عالم کا امتحان اس کے علم کی کثرت سے نہیں، بل کہ اس چیز سے ہوتا ہے کہ وہ فتنہ انگیز باتوں سے کتنا اور کیسے بچتا ہے۔
☆ جس نے یہ سوچا کہ شکست کی صورت میں کیا کرے گا تو وہ شکست کھا چکا۔

☆ اس نے کچھ نہیں پایا جس نے خدا کو کھو دیا اور اُس نے کچھ نہیں کھو یا جس نے خدا کو پالیا۔
☆ ایسا انسان بننے کی کوشش کرنی چاہیے جس پر عادات اور خواہشات کی بجائے عقل کی حکمرانی ہو۔
☆ مشورہ کرنا اچھی بات ہے، لیکن کسی مشورے پر غور و فکر کے بغیر عمل کرنا غلط بات ہے۔

(مزل احمد - کراچی)

☆ اخلاق اچھے ہونا اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔
☆ کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے، کیوں کہ ہمارے پہلو میں بھی دل ہے۔

☆ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

(محمد حمزہ - کراچی)

☆ خوش رہنا چاہتے ہیں تو دوسروں میں خوشیاں تقسیم کیجیے۔
☆ علم ایسا بادل ہے جس سے ہمیشہ رحمت ہی برسی ہے۔
☆ نیک بننے کے لیے بھی ویسی کوشش کرنی چاہیے جیسی حسین بننے کی،

کی جاتی ہے۔

(سنینہ بنت عبدالباسط - کراچی)

☆ اپنی ہار پر رونا نہیں چاہیے، کیوں کہ ہماری ہار کسی کی جیت ہوتی ہے۔

☆ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے، کیوں کہ کل کیا ہوگا، یہ کسی کو معلوم نہیں۔

☆ کسی سے ملنا ہو تو اس طرح ملنا چاہیے کہ وہ دوبارہ ملنے کی تمنا رکھے۔

☆ بڑے کام کیے جائیں، لیکن بڑے دعوے کبھی نہ کیے جائیں۔
(بشری محمد شعیب - رحیم یار خان)

☆ اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کے غم میں شامل ہو کر اُسے کم کرے اور دوسروں کی خوشی میں شریک ہو کر اُس میں اضافہ کرے۔

☆ ننانوے فی صدنا کامیاں ان لوگوں کے حصے میں آتی ہیں جنہیں عذر پیش کرنے کی عادت ہوتی ہے۔

☆ سوچ کے کناروں کو اتنا تیز اور نوکیلا نہ کیجیے کہ وہ خود ہمیں زخمی کر دیں۔

☆ درخت کی طرح بننا چاہیے جو خود گرمی سہہ کر دوسروں کو سایہ فراہم کرتا ہے۔

(صفیہ سہیل - لاہور)

بکھرے موتی

قارئین

16

دقائق

جولائی

2023

اپنے بچوں کی یتیمی پیش کر کے تیرے لیے ہمیشہ خیر مانگتی رہتی ہوں۔“
یہ سن کر کرم دین کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ وہ جلدی سے ”میں چلتا
ہوں، مجھے اور گھروں میں بھی ان کا حصہ پہنچانا ہے۔“ کہہ کر اس خاتون
کا جواب سنے بغیر سائیکل پر بیٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

یہ حاکم علی مالی کا گھر تھا۔ کرم دین چوکی دار اور حاکم علی مالی، ایک
بہت بڑے سیٹھ کے بنگلے پر کام کرتے تھے۔ دونوں میں کوئی خاص
تعلق نہیں تھا، بس اچھی سلام دعا تھی اور روز آتے جاتے ایک دوسرے کا
حال احوال پوچھ لیتے تھے۔ دونوں میں غربت کے علاوہ ایک بات یہ
مشترک تھی کہ دونوں کی چار چار بیٹیاں ہی تھیں، بیٹا کوئی نہیں تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حاکم علی کام پر نہیں آیا۔ یوں تو وہ پہلے بھی کئی بار
چھٹی کر لیا کرتا تھا، مگر آج شاید سیٹھ صاحب کے کچھ مہمان آنے والے
تھے، اس لیے انھوں نے کرم دین کو اس کا
پتا کرنے کے لیے اس کے گھر

بھیج دیا۔ کرم دین
وہاں

کرم دین چوکی دار اپنی سائیکل کے ہینڈل سے گوشت کی چند تھیلیاں
لٹکائے تیز تیز پیڈل مارتا ہوا اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے
پر ایک انوکھی سی مسرت اور طمانیت کے آثار نظر آرہے تھے۔ ایک
انتہائی پس ماندہ سے محلے میں پہنچ کر اس نے ایک گھر کے سامنے سائیکل
روکی اور گھر کا دروازہ بجایا۔ کچھ دیر بعد اندر سے ایک نسوانی آواز آئی:
”جی کون؟“

”میں ہوں کرم دین چوکی دار!“

اس کے بلند آواز سے جواب دیتے ہی دروازہ کھلا اور سر پر دوپٹا
ڈالے ایک چھوٹی سی بچی باہر آئی۔

کرم دین نے اس بچی کو بڑے پیار سے سلام کیا۔ عید کی مبارک
باد دی اور گوشت کی ایک تھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

”بیٹا! یہ اپنی امی کو دے دینا، یہ آپ کا حصہ ہے۔“

اس بچی نے اندر موجود خاتون کو تھیلی دی تو وہ

خاتون تھیلی دیکھ کر بڑے گلوگیر لہجے میں کرم
دین کو مخاطب کرتے ہوئے بولی:

”کرم دین! میں تیرا

شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔

بس اللہ کے سامنے

چوکی دار کی

قربانی

علی رشید۔ کراچی

خودداری کے گلے پر چھری پھیر کر ہی ان کے لیے لوگوں کے سامنے دامن پھیلا کر گوشت اکٹھا کیا کرتا تھا اور ظاہر ہے، اس کے لیے اس سے بڑی قربانی اور کیا ہو سکتی تھی۔

سال، سال بعد کرم دین کی بدولت گوشت کا منہ دیکھنے والے یہ کب جانتے تھے کہ خود کرم دین کے گھر سال کے بعد بھی گوشت نہیں پکتا۔ کئی بار کرم دین کے دل میں آیا بھی کہ وہ ایک آدھ تھیلی اپنے گھر بھی لے جائے، مگر ہر بار اُس کا ضمیر اُس کے آڑے آ جاتا اور وہ اپنے بچوں کو یہ گوشت چاہتے ہوئے بھی نہ کھلا پاتا۔

کرم دین کی بستی قریب آپچی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کی نمی کو لوگوں سے نظریں بچا کر صاف کیا اور اپنے دردِ عالم کو چہرے کے مصنوعی تاثرات سے چھپانے کی کوشش کرتا ہوا اپنی گلی میں مڑ گیا۔ اب اس کے سامنے اس کے اپنے گھر کا دروازہ موجود تھا، جس کے اس پار غربت و افلاس کا لبادہ اوڑھے اس کی بیوی اور بیٹیاں اس کی منتظر تھیں۔

کرم دین نے کچھ لمحے توقف کر کے دروازہ بجا دیا۔ اس کی چھوٹی بیٹی نے دروازے کی درز میں سے اپنے باپ کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ کرم دین سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے اونچی آواز میں سب کو سلام کر کے سر اٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے صحن کے بیچوں بیچ کھانے پکانے کے سامان کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایک تھیلے میں اچھا خاصا گوشت بھی رکھا ہوا ہے۔

کرم دین نے حیرت سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور پوچھا:

”یہ سب کہاں سے آیا؟“

اس کی بیوی بولی:

”ایک بہت بڑی گاڑی میں کوئی بڑا آدمی آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کو جانتا ہے اور ساتھ میں ایک چٹھی بھی دے کر گیا ہے۔ میں نے سامان تو اُس کے اصرار پر رکھ لیا، مگر اب آپ کے انتظار میں تھی۔“ ساتھ ہی اس نے ایک لفافہ کرم دین کی طرف بڑھا دیا۔ کرم دین نے جلدی سے لفافہ کھولا اور اس میں موجود چٹھی پڑھنے لگا:

بقیہ صفحہ نمبر 49 پر

پہنچا تو دیکھا کہ اس کے گھر تو گویا قیامت صغریٰ برپا تھی۔ حاکم علی رات سویا تو صبح اٹھائی نہیں۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کو اس دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے سوچا تھا۔

کرم دین بے چارہ خود بھی بہت غریب آدمی تھا اور بال بچے دار بھی، مگر اُس دن سے ہر چھوٹی بڑی عید پر جتنا ہو سکتا تھا، ان کے لیے کوئی نہ کوئی چیز اور گوشت پہنچا دیا کرتا تھا۔ کرم دین جب پہلی بار اُن کے ہاں گوشت لے کر آیا تو حاکم علی کی بیوی نے روتے ہوئے کہا:

”کرم دین! اللہ تیرا بھلا کرے، آج میرے بچے ڈیڑھ دو سال بعد گوشت کھائیں گے۔“

بس یہ جملہ سننا تھا کہ اس کے دل پر آرے سے چل گئے۔ وہ دن تھا اور آج کا دن، وہ ان کے ساتھ ساتھ ایسے چار پانچ اور گھروں کی بھی وقتاً فوقتاً مدد کرتا رہتا تھا۔

باقی گھروں میں بھی گوشت کی تھیلیاں پہنچا کر وہ واپس پلٹا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے سائیکل موڑی اور اپنے گھر کی راہ لی۔ جیسے جیسے اس کا گھر نزدیک آتا جا رہا تھا اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات بڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ رک کر اُس نے سائیکل صاف کرنے والا کپڑا گیل کر کے بینڈل پر لگے گوشت اور خون کے نشانات کو صاف کیا۔ وہ شاید یہ نشانات اپنے گھر والوں سے چھپانا چاہتا تھا، اور پھر وہ دوبارہ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

یہ اس کا ہر سال کا معمول تھا کہ وہ صبح سویرے اپنے پُرانے دھلے ہوئے کپڑے پہن کر عید کی نماز پڑھنے اپنی کچی بستی سے بہت دور شہر کے سب سے بڑے محلے میں جاتا اور عید کی نماز کے بعد لوگوں کے گھروں سے گوشت جمع کرنا شروع کر دیتا۔ گوکہ وہ ذاتی طور پر بہت خوددار انسان تھا، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا نا اس کے لیے مرجانے کے برابر تھا، مگر حاکم علی کی بیوہ اور یتیم بچیوں کی خاطر وہ یہ کام بھی کر گزرتا۔ وہ دو پہر تک گوشت جمع کرتا اور دوپہر کے بعد اُن گھروں میں جا کر دے آتا اور وہ لوگ یہی سمجھتے کہ شاید کرم دین کی اپنی قربانی ہوتی ہے۔

اور واقعی یہ کرم دین کی قربانی ہی تھی، وہ اپنی عزت نفس اور

سوال آدھا جواب آدھا



الطاف حسین - کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰، جون تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید میں ”سونا (دھات)“ کا ذکر سب سے پہلے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 14 میں آیا ہے..... بتائیے ”چاندی“ کا ذکر سب سے پہلے قرآن مجید کی کس سورت میں آیا ہے؟

۲ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے 748 احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نبویہ کردہ احادیث صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کتنی ہے؟

۳ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا دورانیہ 3 محرم الحرام 24 ہجری سے 24 ذوالحجہ 35 ہجری تک تھا..... بتائیے خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دورانیہ کب سے کب تک تھا؟

۴ اسلامی جمہوریہ ایران کے پرچم پر لفظ ”اللہ“ لکھا ہوا ہے..... بتائیے وہ کون سا ملک ہے جس کے پرچم پر مکمل کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے؟

۵ ”صحرائے تھل“ کا تعلق پاکستان سے ہے..... بتائیے صحرا ”دشت لوط“ کا تعلق کس اسلامی ملک سے ہے؟

۶ یبیا کے مشرق میں مصراع ہے..... کیا آپ جانتے ہیں کہ افغانستان کے مشرق میں کون سا ملک واقع ہے؟

۷ محکمہ ڈاک پاکستان نے پہلی بار ڈاک ٹکٹوں کا سیٹ 9، جولائی 1948ء کو جاری کیا تھا۔ اس سیٹ میں شامل تمام ڈاک ٹکٹ ”یک رنگی (سنگل کلر)“ تھے..... بتائیے محکمہ ڈاک پاکستان نے پہلی بار ”رنگین (فور کلر)“ ڈاک ٹکٹ کس تاریخ کو جاری کیے تھے؟

۸ اردو شاعری میں غزل کے پہلے شعر کو ”مطلع“ کہا جاتا ہے..... آپ یہ بتائیے کہ غزل کے جس شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اس شعر کو کیا کہتے ہیں؟

۹ ”ٹیلی اسکوپ“، گلیلیو گلیلی (اطالی) نے 1610ء میں ایجاد کی تھی..... 1817ء میں ایجاد کی جانے والی ”کلیڈ واسکوپ“ کے موجد کا کیا نام تھا؟

۱۰ - ”ٹٹو کوٹڑا اور تازی کو اشارہ“ اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ”عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے، جب کہ بے وقوف کو مار کر سمجھانا پڑتا ہے“..... بتائیے ”پڑھیں فارسی، بیچیں تیل“ کا کیا مطلب ہے؟



اللہ ہے

راحت عائشہ - کراچی

بس پیار ہی پیار

چندا! اللہ میاں ایسے تھوڑی کسی کو دوزخ میں ڈالیں گے اور اتنے پیارے بچوں کو تو ہر گز نہیں ڈالیں گے۔

علی سب سے پہلے تو آپ ارویٰ سے معافی مانگیے۔“ امی نے کہا۔
”امی! وہ کیوں؟“ علی نے پوچھا۔

”اس لیے کہ آپ کی گیند سے ارویٰ کو تکلیف پہنچی ہے، لہذا آپ کو ارویٰ سے معذرت کرنی چاہیے، پھر میں آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں۔“

کہانی کا سن کر علی نے جلدی سے ارویٰ سے معذرت کی۔ ارویٰ بھی کہانی کا سن کر امی کی گود میں آ بیٹھی۔

”دیکھو، ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی۔ اس میں خوب صورت درخت، چرند، پرند، ندی، نالے، جھیلیں، سمندر، غرض سب کچھ تھا، لیکن ایک چیز کے نہ ہونے سے ابھی یہ ادھوری تھی۔

”وہ کیا چیز تھی؟“ علی نے پوچھا۔

”وہ تھا انسان۔ اس دنیا میں ابھی انسان نہیں آئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے مٹی لی اور مٹی کا ایک پتلا بنایا۔ اب سوچو کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے خود بنائی ہو وہ کتنی اچھی اور خوب صورت ہوگی!“

”مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے نا!“

”امی! بھائی نے مجھے مارا ہے۔“ چار سالہ ارویٰ نے امی سے علی کی شکایت کی۔

”اف! امی کتنا جھوٹ بول رہی ہے یہ۔ میں نے مارا نہیں ہے، بس میں گیند سے کھیل رہا تھا اور اس کے ہلکی سی لگ گئی ہے۔“ چھ سالہ علی نے فوراً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے ”ہلکی سی“ پر بطور خاص زور دیا۔

امی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ امی کو مسکراتے دیکھ کر علی میاں اور شیر ہو گئے:

”تم جھوٹ بولتی ہو، دیکھنا اللہ میاں تمہیں آگ والی دوزخ میں ڈالیں گے اور بہت ساری سزا دیں گے۔“ علی نے ارویٰ کو مزید ڈرایا۔

ارویٰ بے چاری کا منہ رونے والا بن گیا۔

”امی! میں نے جھوٹ تو نہیں کہا، مجھے یہاں پر بھائی کی گیند لگی تھی۔ ابھی تک درد بھی ہو رہا ہے۔ اللہ میاں مجھے کیوں دوزخ میں ڈالیں گے؟“

ارویٰ نے پوچھا۔

”ارے نہیں میری



20

دقائق

جولائی

2023

”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو صرف شیطان کرتا ہے۔“ اروئی نے کہا۔

”جی بالکل!“ امی نے اروئی کی تائید کی، لیکن کچھ انسان بھی شیطان کی باتوں میں آکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ایک نعمت یہ بھی دی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیں گے۔“

”پھر اللہ میاں ناراض نہیں ہوں گے؟“ علی نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو انسانوں سے ان کی امی سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں، اس لیے وہ اچھے کاموں سے خوش ہو کر ہم سب کو اپنی اور زیادہ نعمت دیتے ہیں اور جو معافی مانگتا ہے، اسے معاف کرتے ہیں اور اُسے بھی اور زیادہ نعمتوں سے نوازتے ہیں۔“
 ”امی! اللہ میاں تو بہت اچھے ہیں۔“ اروئی نے کہا۔

”ہاں بیٹا! اللہ میاں تو بہت ہی اچھے ہیں۔“ امی نے جواب دیا۔
 پھر امی نے ایک نظم گنگنائی شروع کی، جو وہ روزانہ سوتے وقت اروئی اور علی کو سناتی تھیں۔ بچوں کو بھی وہ یاد ہو چکی تھی، اس لیے امی کی آواز کے ساتھ ان کی آواز بھی شامل ہو چکی تھی۔ آپ بھی اس پیاری نظم کو یاد کر سکتے ہیں۔

پیارا بھرا ہر ایک اشارہ
 پیارا اس کا ہر نظارا
 جس نے زمیں پر پیارا اتارا
 وہ خود ہوگا کتنا پیارا
 پیارا کا اس کے نہیں شمار
 اللہ ہے بس پیارا ہی پیارا

ذوق معلومات (۸۷) کا درست جواب

☆ ناریل (کھوپرا)

اروی نے امی کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا۔

”جی ہاں، آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، اسی لیے تو میری شہزادی اتنی پیاری ہے۔“ امی نے گود میں بیٹھی اروئی کو پیار کیا۔

”مجھے بھی؟“ علی نے کہا۔

”جی آپ کو بھی۔“ امی مسکرائیں۔

”پھر اللہ تعالیٰ نے چوں کہ انسان کو بہت پیار سے بنایا تھا، اس لیے اسے علم دیا، عقل اور سمجھ دی کہ وہ اچھے اور بُرے میں فرق کر سکے۔ اس کے اندر ایک دل بھی بنایا، تاکہ یہ انسان دوسروں کا بھی خیال رکھے، پھر جب دنیا میں بھیجا تو بہت ساری نعمتیں دیں۔“
 ”مجھے بھی نعمتیں پتا ہیں۔“ علی نے کہا۔

”بھلا کون سی؟“ امی نے پوچھا۔

”پانی ایک نعمت ہے۔ یہ ہماری مس نے بتایا تھا۔“

”بالکل ٹھیک، پانی، آگ، ہوا اور مٹی، سب ہی اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو ہماری زندگی کے لیے ضروری ہیں۔“

چلو، ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گنتے ہیں۔“

”کھانا۔“ علی نے کہا۔

”الحمد للہ!“ امی نے کہا۔

”دودھ۔“ اروئی بولی۔

”الحمد للہ!“ امی پھر نے کہا۔

”امی، ابو۔“ امی نے فہرست بڑھائی، پھر انھیں کتنی ہی چیزیں یاد آتی گئیں، جن میں گھر، باغ، ملک، ہوا، کھلونے، دادا، دادی، نانا، نانی، خالہ، چچا، ماموں، پچھو اور بہت ساری نعمتیں شامل تھیں۔ ہر نئی چیز پر سب مل کر الحمد للہ کہتے۔ اب یہ کھیل بن گیا، علی اور اروئی کو اس کھیل میں بہت مزہ آرہا تھا۔

”اب ایک نعمت اور سنو۔“ امی نے کہا۔

”الحمد للہ!“ دونوں بچے شرارت سے بولے۔

”اللہ میاں نے اتنی ساری نعمتیں دے کر اپنے بندوں سے

کہا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی ہے۔“

تو اُسے مسلمان نہ ہونے کے باوجود دین اسلام کی بہت زیادہ معلومات تھیں۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ دین اسلام کو خراب کرے گا۔

اس کام کے لیے اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو چنا، کیوں کہ قید میں رہتے ہوئے وہ اپنے اس مقصد میں کبھی بھی کام یاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن میمون کو بلوایا اور اپنے بیٹے کو شعبہ بازی اور دیگر اسلام مخالف چیزوں کی تعلیم دینی شروع کر دی۔

میمون کی سوچ یہ تھی کہ وہ تو قید میں رہ کر اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتا، اس لیے اپنے

بیٹے کے ذریعے سے دین اسلام کو بگاڑے گا۔ اس نے خود بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، جب کہ حقیقت میں وہ مجوسی ہی تھا، یعنی اس نے منافقت شروع کر دی۔

اپنے بیٹے کو وہ سمجھانے لگا کہ وہ کس طرح

لوگوں میں مقبول ہو سکتا ہے۔ اس کا بیٹا عبداللہ بن میمون اہوازی

۱۰۔ عبداللہ بن میمون اہوازی

اپنے باپ کے کہنے پر چلنے لگا۔

جب اس کا بیٹا اس قابل ہو گیا کہ وہ مسلمانوں میں اپنے قدم جما سکے، اس وقت میمون رہا ہو گیا۔

عبداللہ بن میمون نے پہلے اپنے مسلک کی تبلیغ شروع کی، خود کو مسلمان ہی کہتا رہا اور لوگوں کو بتاتا رہا:

”میرے والد حضرت جعفر صادق کی خدمت میں رہے ہیں۔“

کوفہ، عراق کا ایک شہر ہے۔ اس کے ارد گرد کئی گاؤں تھے۔ ان ہی گاؤں میں سے ایک گاؤں اہواز تھا۔ وہاں

ایک شخص رہتا تھا، اس کا نام میمون تھا۔ میمون ایک مجوسی تھا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑنو اسے تھے۔ ان دو بزرگوں کی نسل میں ہونے کی وجہ سے آپ کے پاس علم اور تربیت، دونوں چیزیں تھیں اور لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ اسی تربیت کی وجہ سے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے مجوسی غلام میمون کو بھی آزاد کر دیا تھا۔

آزادی حاصل کرتے ہی یہ شخص عراق گیا۔ وہاں پر اس کی کسی حرکت پر عراق کا حاکم ناراض ہو گیا۔ عراق کے حاکم نے حکم دیا: ”میمون کو قید کر دو۔“

میمون یہ حکم سن کر بہت زیادہ پریشان

ہوا، اس نے حاکم کی بہت زیادہ منت سماجت کی، مگر حاکم عراق پر اس کی کسی

بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور اسے قید میں ڈلوایا دیا۔

میمون کو جب قید میں ڈالا گیا تو وہ بہت زیادہ پریشان ہوا کہ پہلے وہ غلام تھا، اب غلامی سے آزادی ملی تو قید میں آ گیا۔

اب میمون کے ذہن میں شیطان نے وسوسے ڈالنے شروع کر دیے۔ اس نے قید میں سوچ لیا کہ وہ اپنی اس قید کا بدلہ لے گا۔ چوں کہ وہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تھا

یعنی وہ خود کو اہل بیت میں سے ظاہر کرنے لگا، پھر جب لوگ اس کی طرف آنے لگے اور اُس سے جڑنے لگے تو جلد ہی اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا۔

نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اُس نے اپنے فرقے کو اپنے والد کے نام پر فرقہ میمونہ کہنا شروع کیا، لیکن اس کے والد میمون نے اسے سمجھایا: ”تم اسے میمونہ کے بجائے فرقہ باطنیہ کہو، کیوں کہ دین کا علم ظاہر کے بجائے باطن میں ہونا چاہیے۔“

عبداللہ نے اپنی والد میمون کی بات کو اچھی طرح سمجھا اور اپنی دعوت اور نبوت کو باطنیہ کہنا شروع کر دیا۔

اس نے اپنے گندے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور دیگر نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی طرح لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے دور کرنا شروع کر دیا اور عجیب و غریب قسم کی منطق پیش کرنی شروع کر دی۔ عام لوگ اس کی باتیں سن کر بہک کر اُس کے گروہ میں شامل ہونے لگے۔

اس نے اپنے مذہب کو بڑھانے کے لیے اپنا ایک نائب ڈھونڈا۔ اس نائب کا نام خلف تھا۔ یہ شخص بہت ہی زیادہ باتیں بنانے کا ماہر تھا۔ عبداللہ بن میمون اہوازی نے اس سے کہا:

”میرے مذہب کی تبلیغ کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ میرے والد اہل بیت کے خاندان سے منسلک ہیں اور وہ جو تبلیغ کرتے تھے وہی تبلیغ میں بھی کرتا ہوں اور میں ایک نیا نبی ہوں۔“

خلف نے عبداللہ بن میمون اہوازی سے باتیں سیکھ کر انھیں لوگوں میں اپنے انداز میں پھیلانا شروع کیا اور جاہل لوگ اس کی باتوں میں آکر اپنا ایمان کھونے لگے۔

وہ پہلے لوگوں کو بتاتا کہ عبداللہ بن میمون اہوازی ایک بہت ہی زبردست عالم دین ہے، اس کے بعد وہ لوگوں کو بتاتا کہ اس کے والد اہل بیت سے منسلک ہیں، اس کے بعد وہ لوگوں کو اُس کی نبوت کی دعوت دیتا تھا۔

اب کام تو خلف کر رہا تھا، لیکن تعلیمات وہ عبداللہ بن میمون اہوازی کی پھیلا رہا تھا۔

اس وقت کے علمائے کرام کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی۔ انھوں نے حاکم سے اس کی شکایت کی، خلف کو اپنی گرفتاری کا خوف ہوا تو اُس نے تمام کام اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا اور خود وہاں سے بھاگ گیا۔ اب اس کے بیٹے نے عبداللہ بن میمون اہوازی کی تعلیمات کو پھیلانا شروع کیا اور اپنے باپ کے ناپاک اور ادھورے مشن کو جاری رکھا، لیکن اس میں اتنی قابلیت نہیں تھی کہ وہ عبداللہ بن میمون اہوازی کے کام کو جاری رکھ سکتا، لہذا اُس نے ایک شخص غیاث کو تلاش کیا۔ یہ شخص اس کے والد کی طرح ہی بہت ہی عمدہ بات چیت کرنے کا ماہر تھا۔

اس نے عبداللہ بن میمون اہوازی کی تعلیمات کی روشنی میں ایک کتاب لکھی اور اُس میں تمام اسلامی تعلیمات کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

غیاث ”رے“ نامی شہر میں یہ تمام کام سرانجام دے رہا تھا۔ وہاں اس نے علمائے کرام سے مناظرے کرنے شروع کیے، مگر وہ کسی بھی مناظرے میں کامیاب نہیں ہوا اور بہت سے لوگ اسے چھوڑ کر جانے لگے، صرف یہی نہیں، علمائے کرام نے حاکم سے بھی اس کی شکایت کی۔ حاکم نے غیاث کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، لیکن اسے پہلے ہی اپنی گرفتاری کے حکم کی خبر مل گئی تو وہ وہاں سے بھاگ کر مرہ شہر چلا گیا اور عبداللہ بن میمون اہوازی سے تعلیمات لے کر انھیں پھیلاتا رہا۔

عبداللہ بن میمون اہوازی اپنے اس نائب سے بہت زیادہ خوش تھا، کیوں کہ غیاث، عبداللہ کی تعلیمات کو بہت اچھے انداز سے پھیلا رہا تھا۔ کچھ عرصے بعد غیاث کو معلوم ہوا کہ ہمارے شہر میں حالات پہلے جیسے نہیں رہے، اس لیے اس نے مرہ سے لوگوں کو ساتھ لیا اور اُن سے کہا کہ جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کی تھی، ویسے ہی تم لوگ میرے ساتھ ہجرت کر کے نبی عبداللہ بن میمون کے پاس چلو۔

لوگ اس کی بات سن کر راضی ہو گئے اور اُس کے ساتھ جانے لگے۔ راستے میں غیاث کا انتقال ہو گیا۔

اس کے انتقال کی خبر عبداللہ بن میمون اہوازی کو ملی تو وہ بستر سے لگ گیا۔

نکل آیا۔

☆.....

”واہ بھی حمید! مان گئے۔ بڑا رعب بٹھا رکھا ہے۔“ توقیر بھی نے بھرپور حوصلہ افزائی کی، جو سامنے کرسی پر بیٹھے ساری گفتگو سن رہے تھے۔

”ہاں یار! آئے دن کا معمول بنا رکھا ہے۔ کبھی کرائے کے بہانے تو کبھی بچوں کی بیماری کے بہانے منہ اٹھائے چلے آتے ہیں کہ ”تنخواہ جلدی دے دو۔“ اب خاندان میں شادی کو ہی بہانہ بنالیا۔“ سیٹھ حمید نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں، ان لوگوں کو ان کی اوقات میں ہی رکھنا چاہیے۔ زیادہ کوئی ہمدردی دکھاؤ تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔“ ارشاد عالم نے بھی سخت لہجے میں تائید کی۔

☆.....

سیٹھ حمید بحریہ سیٹی کی بڑی سی کوٹھی میں رہتے تھے۔ دولت کی ریل پیل نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ انھیں غربت کا احساس ہی نہ ہو۔ ان کا بچپن بھی نہایت کسمپرسی کے عالم میں گزرا تھا۔ ماں باپ نے پیٹ پر پتھر باندھ کر وقت گزارا۔ والد مزدوری کرتے کرتے عمر پتنگئے۔ ماں نے بھی زندگی بھر محنت کی۔ دونوں کی خواہش تھی کہ اپنی تو جیسے تیسے گزر رہی جائے گی، مگر ان کے دونوں بیٹے حمید اور رشید پڑھ لکھ کر اچھی حالت میں آجائیں۔

☆.....

وقت تیزی سے پر لگا کر اڑتا رہا۔ رشید نے بارہویں جماعت کے بعد مزید پڑھنے کا ارادہ ترک کر کے چھوٹی سی کھلونوں کی دکان

اصل کردار

محمد ایوب عبدالرحیم۔ کراچی

”سیٹھ جی! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ چڑا سی محمود نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

”ارے بے وقوف! یہ کون سا طریقہ ہے اجازت مانگنے کا، اس سے تو بہتر تھا کہ سیدھے اندر ہی گھس جاتے۔ کچھ طور طریقے تو سیکھ لیے ہوتے۔“ سیٹھ حمید چڑا سی محمود کو کھری کھری سنانے لگے۔ اتنا بھی لحاظ نہ رکھا کہ ان کے آفس میں ان کے علاوہ دو اور آدمی موجود ہیں۔

”جج..... جی، سیٹھ جی! معاف کر دیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ محمود نے گردن جھکاتے ہوئے معذرت کی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ اب کہو، کیا کہنا ہے؟“ سیٹھ حمید نے تیوری چڑھائی۔

”سیٹھ جی! وہ بہن کی شادی آرہی ہے، بچوں کے لیے کچھ کپڑے لینے ہیں۔ اگر ہو سکے تو اس مرتبہ تنخواہ.....“

”بس، بس میں سمجھ گیا۔ پھر تمہارا گورکھ دھندا شروع۔ کاروبار کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ تنخواہ وقت پر مل رہی ہے نا! شکر کرو۔ باہر لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔“ سیٹھ حمید نے انتہائی نخوت سے چڑا سی محمود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے چارگی کے عالم میں دفتر سے



24

دفعہ نمبر

جولائی

2023

کھول لی، جب کہ حمید نے سولہویں کے بعد کپڑوں کی ایک کمپنی میں بحیثیت مینیجر ملازمت شروع کر دی۔ اللہ کی شان، قسمت حمید پر مہربان ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے حمید ترقی کرتے کرتے تنہا پوری کمپنی کا مالک بن گیا۔

☆.....

اس تبدیلی سے حمید اعتدال پر نہ رہ سکا۔ اس کے مزاج میں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہو گئی۔

کل تک غربت میں دن گزارنے والا آج غریب کو معاشرے کے لیے ناسور سمجھنے لگا۔ اسی پر بس نہیں، اپنے بھائی رشید اور ماں باپ سے بھی لاتعلقی ہو گیا۔

غم میں کڑھتے ماں باپ بھی کچھ وقت بعد دل میں یہ ارمان لیے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ کسی نہ کسی دن حمید ان سے ملنے آئے گا۔

☆.....

ٹرن، ٹرن، ٹرن.....

فون کی گھنٹی پر سیٹھ حمید فون کی طرف متوجہ ہوئے۔
”ہیلو، سیٹھ جی! مم..... میں اظہر بات کر رہا ہوں۔“ کمپنی کا مینیجر اظہر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

”ہاں بولو، اور یہ تمہاری آواز میں اتنی گھبراہٹ کیوں ہے؟“
”سیٹھ جی! ہمارا جو جہاز عمان کے لیے روانہ ہوا تھا، وہ سمندری طوفان میں غرق ہو گیا ہے۔“

”کک..... کیا کہہ کر رہے ہو تم؟“ سیٹھ حمید چلائے۔
”سیٹھ جی! مجھے ابھی ابھی پکی اطلاع ملی ہے۔“
”اظہر! ضرور تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا! تم اچھی طرح اطمینان کر کے مجھے خبر دو۔“

”سیٹھ جی! یہ بالکل درست خبر ہے۔ جہاز کے ساتھ ہمارے جو ملازم گئے تھے، ان میں سے بھی دو ڈوب گئے، جب کہ باقی ملازم ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے قریبی جزیرے تک پہنچے ہیں۔ سمندری عملے کی مددگار جماعت بھی ان تک پہنچ چکی ہے۔“

سیٹھ حمید کی بات پر اظہر نے تفصیلات سے آگاہ کیا۔
”اف! میں لٹ گیا، برباد ہو گیا۔ پورے تیرہ کروڑ کا مال ڈوب گیا۔“ سیٹھ حمید نے حواس باختہ ہو کر بڑبڑاتے ہوئے فون پٹھا۔

☆.....

کمپنی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ سیٹھ حمید کو جہاز کے ڈوبنے کا اور باقی لوگوں کو جہاز کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کی وفات کا بھی غم تھا۔ کمپنی کے سبھی ملازمین، سیٹھ حمید کے ارد گرد موجود تھے۔ کوئی پانی پیش کرتا، کوئی زبانی تسلی دیتا۔ غم اور پریشانی میں کب رات کے نونج گئے، پتا ہی نہ چلا۔

سیٹھ حمید نے ملازمین کو چھٹی دی اور خود گھر آ گئے۔

☆.....

کروڑوں کے نقصان نے سیٹھ حمید کو بھوک اور نیند سب سے بے زار کر دیا۔ بیگم حمید انھیں بار بار تسلی دیتی رہیں، مگر ان کی پریشانی کم نہ ہوئی۔

”بیگم! اگر مقررہ وقت پر مال خریداروں تک نہ پہنچا تو ہمارے معاملات خراب ہو سکتے ہیں۔“ سیٹھ حمید رات گئے باغیچے میں ٹہلتے ہوئے بولے۔

”ارے تو اس میں آپ کی تو غلطی نہیں۔ قدرتی آفت سمندری طوفان کو روکنا کسی کے بس میں ہے کیا؟ آپ مقررہ تاریخ سے پہلے ہی ان تک پیغام پہنچا دیجیے۔“ بیگم حمید نے مشورہ دیا۔

”یہ میں کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں، البتہ اس سے معاملات خراب ہو جائیں گے۔ وقتی طور پر تو خریدار مان جائیں گے، لیکن آئندہ وہ ہم سے کوئی سود انہیں کریں گے۔“

”تو اب آپ کیا کریں گے؟“ سیٹھ حمید کی بات پر بیگم حمید نے پوچھا۔

”حل صرف ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ دن رات ایک کر کے راتوں

رات سارا مال دوبارہ تیار کر کے مقررہ تاریخ تک پہنچا دیا جائے۔“

”اس کے لیے تو ملازموں کو رات دن ایک کر کے زیادہ کام

کرنا پڑے گا۔“ بیگم حمید پریشانی کے عالم میں بولیں۔

”بیگم! یہ بہت مشکل کام ہے۔ ملازم اس کے لیے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ ویسے بھی ہمارا جو رویہ ملازموں کے ساتھ رہا ہے، اس کی وجہ سے تو وہ ہرگز ساتھ نہیں دیں گے۔“

”امید پر دنیا قائم ہے۔ آپ ملازموں سے بات تو کر کے دیکھیے، مجھے پورا یقین ہے وہ آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔“ بیگم کی بات سن کر سیٹھ حمید نے اثبات میں سر ہلادیا۔

.....☆.....

اگلے دن سیٹھ حمید نے اپنے تمام ملازموں کو بلا کر صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ”اس مشکل سے نکلنے کے لیے وہی ان کی مدد کر سکتے ہیں۔“

سیٹھ حمید یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تمام ملازم دل و جان سے ان کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔ چڑا سی محمود تک کہنے لگا: ”سیٹھ جی! فکر نہ کریں، میں اور تو کوئی کام نہیں کر سکتا، مزدوروں کے چائے پانی کا پورا خیال رکھوں گا۔“

آج پہلی بار انھیں اپنے حقارت آمیز رویے پر افسوس ہونے لگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ملازموں نے رات دن ایک کر کے کام پورا کر دیا۔ اس طرح سیٹھ حمید کے کمپنی سے طے شدہ معاملات خراب ہونے سے بھی بچ گئے اور کمپنی نے خوش ہو کر ان سے لمبے عرصے کا معاہدہ بھی کر لیا۔

اس بڑی کامیابی پر انھوں نے عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا، جس میں کمپنی کے تمام ملازموں کے علاوہ اپنے بھائی رشید، توقیر بھٹی اور ارشاد عالم کو بھی مدعو کیا۔

.....☆.....

”تمام معزز مہمانوں کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ سب نے آج کی تقریب میں شرکت کر کے مجھے عزت بخشی، خاص کر میں اپنی کمپنی کے تمام ملازموں کا احسان مند ہوں۔ انھی کے اعزاز میں آج میں نے اس دعوت کا اہتمام کیا ہے۔“

سیٹھ حمید اس عظیم الشان اہتمام کی وجہ بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھ پیش آنے والے تمام حالات کی روداد سنا کر حاضرین سے مخاطب ہوئے:

”یقین جانے، ایک کاروباری شخص کبھی بھی کامیاب کاروباری شخص اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک اس کے ساتھ کام کرنے کے لیے ملازم اور ساتھ دینے والا عملہ نہ ہوں۔ انھی کام کرنے والوں کی محنت سے دنیا بھر کا نظام قائم ہے۔ آج میں بھی اتنے بڑے خسارے سے اپنے ملازموں کے تعاون سے ہی نکل پایا ہوں۔ میں اس بات کا دل سے اعتراف کرتا ہوں اور ساتھ ہی یہ اعلان کرتا ہوں کہ آج کے بعد میری کمپنی کے تمام ملازموں کو سال میں دو مرتبہ ہدیہ اور عید کے موقعوں پر عیدی بھی دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ تنخواہ میں اس قدر اضافہ کر دیا جائے گا کہ جس سے ان کی ضروریات باسانی پوری ہو سکیں۔“ اس بڑی تبدیلی پر کمپنی کے تمام ملازم نہ صرف خوش تھے، بل کہ دل سے سیٹھ حمید کے لیے دعا گو بھی تھے۔

.....☆.....

”حمید بھائی! آپ نے بہت نیک کام کیا ہے۔ یقیناً یہ فیصلہ آپ کو مزید کامیابی کی طرف لے جائے گا۔“ سیٹھ حمید کے چھوٹے بھائی رشید کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ارشاد عالم کہنے لگے:

”ہاں یا رحمید! واقعی، انھی کی محنتوں سے دنیا کا نظام بخوبی چل رہا ہے۔ ہر شعبے میں ان کا کردار نظر آتا ہے۔“

”بالکل! اور تم نے ہماری بھی آنکھوں کھول دی ہیں۔ آج تک ہم بھی اس طبقے کو انتہائی حقیر سمجھتے تھے، لیکن اب ہم بھی اپنے ماتحتوں کو سہولیات فراہم کریں گے۔“ توقیر بھٹی نے بھی گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

.....☆.....

تقریب کے بعد گھر جاتے ہوئے سیٹھ حمید پُر سکون تھے۔ وہ ہمیشہ واپس جاتے ہوئے غیر مطمئن اور بے چین رہتے تھے، آج پہلی بار وہ اپنے کیے ہوئے فیصلوں پر انتہائی مسرور تھے۔

سرسوں

سعد علی چھپیا۔ کراچی

سرسوں، پاکستان کی فصل ہے۔ موسم بہار میں اس کے پھول نکلتے ہیں، جو زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ پھول بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ ان پھولوں کے اندر بیج ہوتے ہیں۔ ان بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے، جو سرسوں کا تیل کہلاتا ہے۔

سرسوں کا تیل جسم کے لیے انتہائی مفید سمجھا جاتا ہے۔ سرسوں کے تیل میں متعدد وٹامنز اور غذائی عناصر موجود ہوتے ہیں، جن میں وٹامن ایچ، وٹامن اے، کیلشیم، پروٹین، اور اومیگا 3 شامل ہیں۔

کھانے اور بالوں جسم پر لگانے کے ساتھ ساتھ سرسوں کا تیل دوسری ضرورتوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سرسوں کے تیل کے دیگر فوائد:

☆ سرسوں کا تیل کولیسٹرول کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے۔

☆ سرسوں کا تیل اعصاب، ہڈی اور جوڑوں کے درد کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ سرسوں کا تیل وزن کم کرنے میں بھی معاون ہوتا ہے۔

☆ سرسوں کا تیل دمہ اور ہڈیوں کے انفیکشن کے علاج میں بھی مدد کرتا ہے۔

☆ سینے پر سرسوں کے تیل کی مالش سے پھیپھڑوں میں آکسیجن کے بہاؤ میں آسانی رہتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل کینسر کی روک تھام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆ جلد کی خشکی کو ختم کرنے کے لیے سرسوں کے تیل کا استعمال بہت مفید ہے۔

☆ سرسوں کا تیل بالوں کے لیے ایک قدرتی غذا ہے۔ اس سے بال مضبوط اور گھنے ہوتے اور ان کی افزائش میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

☆ سرسوں کا تیل جلد پر لگانے سے جھریوں میں کمی آتی ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

تین سے سات
سال کے بچوں
کے لیے

تہجد کی نماز کے بعد نانی نے جیسے ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، فاطمہ نے زور سے ایک چیخ ماری۔ نانی گھبرا کر اُس کے پاس آئیں اور پیار سے اس کا سر سہلانے لگیں۔
”کیا ہوا چندا؟“ نانی نے پریشان ہو کر اُس سے پوچھا۔

چند دنوں سے فاطمہ روز رات کو چیخ مار کر اٹھ جاتی تھی۔ نانی بہت فکر مند تھیں۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے چھ سالہ فاطمہ کمزور ہو گئی تھی۔ آج بھی نانی نے اس پر آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا اور اُسے دوبارہ سہلانے کی کوشش کی۔
صبح ناشتا کرنے کے بعد فاطمہ اسکول جانے کے لیے تیار ہوئی تو ضد کرنے لگی:

”نانی! مجھے آپ اسکول چھوڑ کر آئیں۔“
نانی خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑیں۔

رابعہ طاہر۔ مظفر گڑھ

حلوا

28

دقائق

جولائی

2023

راستے میں وہ فاطمہ کی گھبراہٹ
نوٹ کرتی رہیں، مگر انھیں کوئی

خاص وجہ سمجھ نہ آ سکی۔

”آخر فاطمہ اس قدر خوف زدہ کیوں ہے؟“ وہ
مسلل غور کرتی رہیں۔

وہ شروع سے فاطمہ کو جانتی تھیں، وہ ایسی ہرگز نہیں
تھی۔ وہ بہت بہادر اور ہنس مکھ بچی تھی، جو اپنی اچھی
شرارتوں سے سب کو ہنساتی تھی۔

.....☆.....

”فاطمہ! آپ کا دوست کون کون ہے؟“
رات کو نانی نے اسے کہانی سنانے کے بعد

پوچھا۔

”عائشہ، حبیبہ اور قاسم۔“

فاطمہ نے پڑوس میں رہنے والے بچوں کے نام
بتائے، جو چند مہینے پہلے ہی ان کے گھر کے سامنے
والے مکان میں رہنے آئے تھے۔ چوں کہ تینوں
بچے فاطمہ کی عمر کے تھے تو نانی نے فاطمہ کو ان کے
گھر جا کر کھیلنے کی اجازت دی ہوئی
تھی۔

فاطمہ سے کہہ دیا کہ اسکول کے
راستے میں جو بڑا درخت ہے اس پر

بھوت رہتے ہیں۔ چوں کہ وہ درخت اسکول کے
راستے میں تھا تو فاطمہ کو دن میں دو مرتبہ وہاں سے
گزرنا پڑتا تھا۔

”فاطمہ! اب تم کیا کرو گی؟“ حبیبہ نے ہنستے
ہوئے پوچھا۔

”میں نے تو سنا ہے، اسکول میں جو درخت ہیں
ان پر بھی بھوت رہتے ہیں۔“ قاسم نے حبیبہ کو

آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔
ان کی باتیں سن کر فاطمہ ڈر گئی۔

”مجھے بھوت سے بہت ڈر لگتا ہے، میں اب
اسکول نہیں جاؤں گی۔“

فاطمہ نے روہانسی ہو کر کہا۔
تینوں بچے فاطمہ کے واپس گھر جانے کے بعد
زور زور سے ہنسنے لگے۔

نانی کو بچوں کی عادتیں زیادہ معلوم نہیں تھیں، ورنہ
وہ فاطمہ کو ان کے گھر جا کر کھیلنے کی
اجازت نہ دیتیں۔

فاطمہ نے جب سارا واقعہ

ان بچوں نے شرارت میں

29

مقام شوق

جولائی

2023



نانی کو سنایا تو نانی کو اُن بچوں پر بہت
غصہ آیا، مگر وہ برداشت کر کے فاطمہ
کی باتیں سنتی رہیں۔

پھر نانی نے فاطمہ کو سمجھایا کہ اگر ہم
آیت الکرسی پڑھ لیں تو کسی بھی قسم کا
خطرہ نہیں ہوتا۔ فاطمہ نے نانی کی
بات سن تولی، مگر اُس کا ڈر کسی طرح

بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

ہر روز فاطمہ اسکول جاتے ہوئے اس درخت سے خوف
زدہ ہوتی اور روز نانی سے اسکول ساتھ چلنے کا کہتی۔

نانی نے بچوں کو سمجھانے کا سوچا، تاکہ وہ خود ہی فاطمہ
سے اپنی غلط بات کی معذرت کریں۔

ایک دن نانی نے حلوہ پکایا اور اُن تینوں بچوں کو بلایا۔
انہوں نے حلوہ بچوں کے سامنے رکھا اور اُنہیں کھانے کو
کہا۔ سب بچوں نے خوشی خوشی جب کھا لیا تو نانی نے کہا:

”آپ سے کوئی بھوت

کو یہ حلوہ دے کر آ سکتا

ہے؟“

”بھوووووت؟“

سب بچے ایک ساتھ

بولے۔



”جی بالکل! وہ بھوت آپ
کا شکریہ بھی ادا کرے گا۔“

بچے گھبرا گئے اور ایک
دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

”مگر نانی! بھوت تو نظر
آتے ہی نہیں، پھر ہمیں کیسے پتا
چلے گا کہ یہاں بھوت رہتے
ہیں۔“

نانی نے فاطمہ سے کہا:

”فاطمہ! آپ نے ان کی بات سنی کہ بھوت تو نظر ہی
نہیں آتے۔“

پھر انہوں نے بچوں کو سمجھایا اور اُن سے کہا کہ وہ فاطمہ
کا ڈر ختم کرنے کی کوشش کریں۔

نانی نے خود بھی فاطمہ کو بتایا:

”ڈر اور خوف کی وجہ سے انسان اپنے کام صحیح طرح

نہیں کر سکتا۔ جتنا ہم

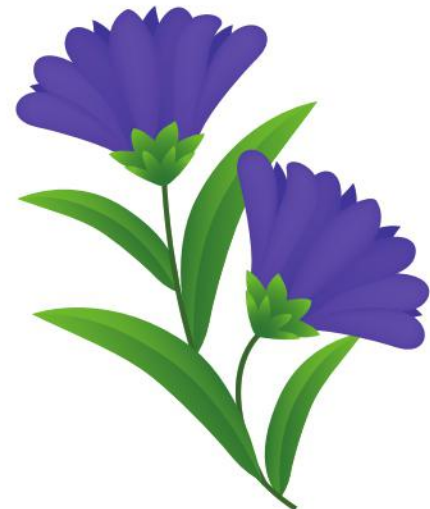
کسی چیز سے ڈریں

گے اتنا ہی وہ چیز ہمیں

ڈرائے گی، اس لیے

ہمیں کسی چیز سے ڈرنا

نہیں چاہیے۔“



راستینا نالاش خلیج



31

دقیقہ

جولائی

2023

شکاری

محمد اکمل معروف - حیدرآباد

پھر کیا تھا! خالو نے محلے والوں سے کہا کہ

اس بات میں کوئی سچائی نہیں ہے اور وہ جلد

ہی چھٹن کو لے کر کسی دور دراز کے جنگل میں

جائیں گے اور پوری ایک رات گزار کر

واپس آئیں گے، جس کی گواہی خود چھٹن دے گا۔ چھٹن کو ویسے بھی

شکار کا کافی تجربہ تھا اور پینتیس سال کی عمر کا ہونے کے باعث وہ کافی

پھرتیلا اور چاق و چوبند تھا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اس کام کا چھٹن کو

معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا اور اگر خالو جنگل میں رات گزارنے

میں کام یاب ہو گئے تو سب محلے والے مل کر خالو کو ایک بڑی رقم بطور

انعام پیش کریں گے۔

محلہ شادنگر کے رہنے والے خالو جھگڑالو چوں کہ گھر میں اکیلے ہی

رہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اہلیہ عرصہ دراز پہلے انتقال کر چکی

تھیں، جب کہ ان کا اکلوتا بیٹا یورپ کے کسی ملک میں جا بسا تھا اور پھر

پلٹ کر نہیں آیا تھا۔ خالو کی طبیعت میں غصے کا عنصر نمایاں تھا، بات

بات پر کسی نہ کسی سے الجھ پڑتے اور کچھ ہی دیر میں نوبت لڑائی

جھگڑے تک پہنچ جاتی تھی۔ خالو کے آئے روز کے ان جھگڑوں کے

باعث محلے والوں نے آہستہ آہستہ انھیں خالو جھگڑالو کہنا شروع کر دیا

تھا۔ تنہا رہنے کے

جیپ چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رکی تو چھٹن چونک اٹھا۔ اس نے بار

بار چابی گھما کر جیپ کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی، مگر کوئی نتیجہ

نہ نکلا۔ چار و ناچار وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور گاڑی کے انجن کا

معاینہ کرنے لگا۔ کبھی کسی تار کو چھیڑتا تو کبھی کسی پُرزے پر نظر ڈالتا۔

خالو جھگڑالو جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھے دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے

کہ کسی طرح گاڑی اسٹارٹ ہو جائے۔

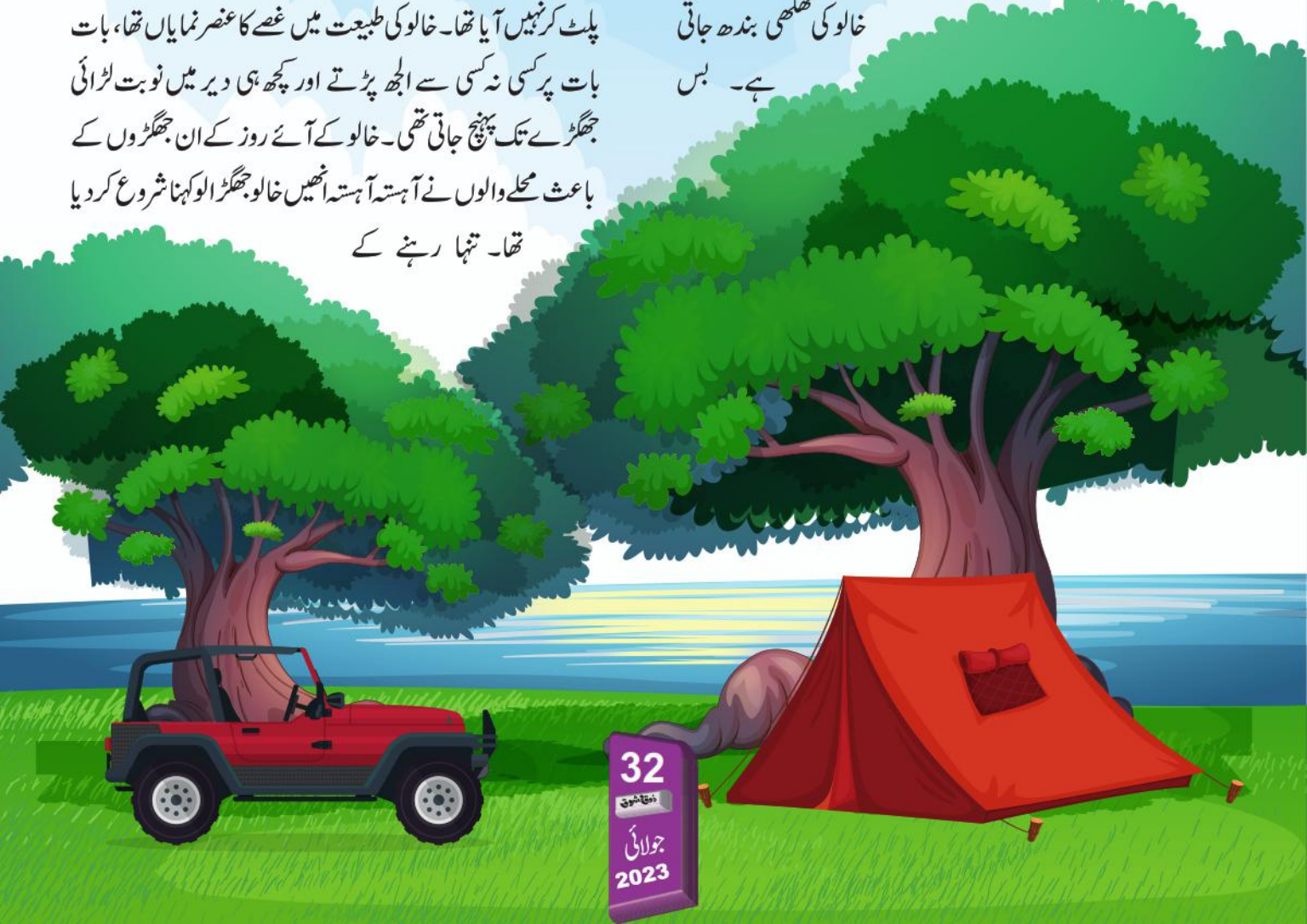
سفر کا یہ منصوبہ اچانک بنا تھا، بل کہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا

کہ بیٹھے بٹھائے بن گیا تھا۔ کسی نے مذاق میں کہا کہ خالو جنگل میں

جانے سے ڈرتے ہیں اور خوں خوار جانوروں کو اسکرین پر دیکھ کر بھی

خالو کی گھگھی بندھ جاتی

ہے۔ بس



باعث خالو اپنی طبیعت کے باوجود محلے میں بیٹھ کر گپ شپ بھی لگا لیا کرتے تھے۔ ایک دن اسی طرح انھوں نے اپنی بہادری کے فرضی قصے سنانے شروع کر دیے تھے اور پھر باتوں ہی باتوں میں یہ منصوبہ بن گیا تھا۔

جب کسی بھی طرح گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو مارے تشویش کے وہ خود بھی گاڑی سے اتر پڑے۔ چھٹن نے انھیں دیکھا تو بے چارگی سے بولا:

”خالو! آپ تو جانتے ہیں کہ گاڑی چلانے کے ساتھ ساتھ مجھے تھوڑا بہت کام کا بھی تجربہ ہے۔ اس کا انجن کافی گرم ہو گیا ہے اور اب کافی دیر تک یہ مزید آگے نہیں جاسکتی۔ سڑک کے دائیں طرف ویسے بھی جنگل شروع ہو گیا ہے، کیوں نہ اسی جنگل میں ایک رات گزار کر آپ کی خواہش پوری کر دی جائے۔“

”اب تو خیر یہی کرنا پڑے گا۔“ خالو نے تجویز مانتے ہوئے کہا۔
”ویسے بھی یہ حصہ اسی جنگل میں شمار ہوتا ہے، جہاں ہم جانا چاہتے تھے۔“ یہ کہہ کر چھٹن نے کچھ دھکیل کر جیپ ایک طرف کی اور اُس میں سے سامان نکالنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں بہت زیادہ گھنے درخت موجود تھے تو کہیں کافی حد تک کشادہ جگہ بھی موجود تھی۔

”خالو! اب آپ یہ بتائیں کہ رات زمین پر خیمہ لگا کر گزارنی ہے یا پھر کسی بلند وبالا اور گھنے درخت پر چڑھ کر، اس کی کسی مضبوط شاخ پر بستر لگا کر؟“ چھٹن سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھنے لگا۔

”بھئی چھٹن! جیسے تمہارا دل چاہیے کر لو، اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم پہلے بھی مختلف جنگلوں میں شکار کھیل چکے ہو، تمہارا تجربہ بھی زیادہ ہے اور اسی وجہ سے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔“ انھوں نے اطمینان سے کہا۔

”جیسے آپ کہیں۔ زمین پر سونے میں بس صرف شیر، بھیڑیے یا اسی قسم کے کسی دوسرے درندے کے حملے کا خطرہ

ہے، جب کہ درخت پر ہمیں زہریلے سانپوں اور موذی حشرات الارض سے پریشانی ہو سکتی ہے۔“ چھٹن کی بات سنتے ہی خالو جھگڑالو کا چہرہ سفید پڑ گیا اور جسم خوف سے لرزنے لگا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو! اگر یہ سب خطرات موجود تھے تو ہمیں یہاں لائے کیوں؟“ خالو نے روتی آواز میں پوچھا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ خالو!؟ یہ سب تو آپ کو محلے والوں سے بحث کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ دنیا کے کسی بھی جنگل میں چلے جائیں، یہ خطرات تو ہوں گے۔“ وہ دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے بولا۔

اچانک خالو کے حلق سے عجیب و غریب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ کبھی لگتا کہ اونٹ غرارے کر رہا ہے اور کبھی محسوس ہوتا جیسے بھینس ڈکار رہی ہے، پھر وہ باقاعدہ روتے ہوئے بولے:

”ارے بیٹا چھٹن! تمہیں خدا کا واسطہ! ابھی فوراً مجھے یہاں سے لے چلو۔ یہ بات تمہارے اور میرے درمیان رہے گی۔ محلے میں واپس جا کر ہم کہہ دیں گے کہ ہم رات جنگل میں گزار کر آ رہے ہیں۔“
”یہ تو جھوٹ ہو گا جناب! اور اگر محلے والوں نے کوئی ثبوت مانگ لیا تو ہم کیا ثبوت دیں گے؟ کم از کم کوئی زہریلا سانپ یا چیتا وغیرہ مار کر لے گئے تو آپ ان کے آگے سرخ رو ہو جائیں گے۔“ چھٹن نے جان بوجھ کر ان جانوروں کا ذکر کیا۔

”ارے بیٹا! نام بھی نہ لو ایسی جان لیوا مخلوق کا۔ کبھی کبھی منہ کا کہا بھی سچ ہو جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ جانور ہی ہمارا شکار کھیل جائیں۔“ خالو گھگھکیا۔

ابھی انھوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک کہیں دور سے شیر کی دھاڑ سنائی دی، پھر وہ آواز رفتہ رفتہ قریب آتی چلی گئی۔ چھٹن نے خالو کو جلدی سے قریبی درخت کی طرف دھکیلا اور اشارے سے اوپر چڑھنے کے لیے کہا، مگر خالو، چھٹن کی طرح جوان تو تھے نہیں،

ماشاء اللہ پینسٹھ سال کی عمر تک پہنچ گئے تھے اور پھر یہ کہ موٹا پا بھی کچھ زیادہ ہی تھا، لہذا اپنے بہت زیادہ بھاری بھر کم جسم

کی وجہ سے درخت پر چڑھ ہی نہیں سکے یا شاید شیر کی خوف ناک دھاڑ سن کر ان کی ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔ اب خالو کو اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ چھٹن نے پہلے تو بہت کوشش کی کہ کسی طرح انھیں بھی اپنے ساتھ درخت پر چڑھا لے، لیکن پھر مایوس ہو کر وہ خود جلدی سے درخت کے سب سے اوپر والے حصے تنے پر جا پہنچا۔

اب خالو اکیلے کھڑے تھے اور شیر کی جھاڑیوں کے پیچھے سے چمکتی ہوئی دو آنکھیں دور سے نظر آرہی تھیں۔ اب تو چھٹن کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ مذاق ہی مذاق میں خالو موت کے منہ میں جا پہنچے ہیں۔ وہ دل میں خود بھی پچھتا رہا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ ایک بے ضرر سا جنگل ہے، درندوں اور موذی حشرات الارض کی باتیں جو اُس نے ازراہ مذاق کی تھیں ایک دم سچ ثابت ہو گئی تھیں۔

خالو دم سادھے خاموش کھڑے اپنی موت کے منتظر تھے۔ شیر آہستہ آہستہ ایک ایک قدم چلتا ان کے قریب آرہا تھا۔ اچانک خالو کے ذہن میں خیال آیا کہ سفر پر روانہ ہوتے ہوئے انھوں نے ایک شکاری خنجر اپنے نیپے میں اڑس لیا تھا۔ آخری تدبیر کے طور پر وہ غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ نیپے تک لے گئے اور آہستہ آہستہ خنجر باہر کھینچ لیا۔ اب ”یا مقدر یا نصیب“ والی صورت حال تھی۔ خالو نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں دعا کی۔

اب شیر واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو تھوڑا سا جھکایا، جس سے اس کا پیٹ زمین سے جا لگا، پھر ایک زوردار دھاڑ کے ساتھ چھلانگ لگا کر اپنے جسم وجود کے ساتھ وہ خالو پر آ پڑا۔ خالو نے دل ہی دل میں اپنے رب کو یاد کیا اور آنکھیں بند رکھے رکھے خنجر اندازے سے ہوا میں بلند کر دیا۔ ایک ہیبت ناک چیخ فضا میں گونجی، جسے سن کر چھٹن لرز کر رہ گیا۔ خالو شیر کے جسم وجود کے نیچے دبے پڑے تھے۔ کچھ دیر تک دونوں کے جسموں میں کوئی حرکت نظر نہیں آئی، پھر شیر کراہتے ہوئے ایک طرف لڑھک گیا۔ خالو کے ہاتھ میں موجود خنجر اب تک شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان

دستے تک دھنسا ہوا تھا، جہاں سے شیر کا خون پانی کی دھار کی طرح بہہ رہا تھا۔ خالو، شیر کے خون میں لت پت سرکتے ہوئے نظر آئے۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے، پھر وہ ہمت کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چھٹن کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یہ سب کچھ پل بھر میں ہو گیا تھا۔

اچانک خالو کو احساس ہوا کہ بازی پلٹ چکی ہے۔ شکاری خود شکار ہو گیا ہے۔ وہ فوراً سجدہ شکر بجالائے۔

چھٹن ڈرتا کانپتا درخت سے نیچے اترا تو خالو نے اسے مسکرا کر دیکھا اور چپک کر بولے:

”کیوں بھی چھٹن میاں! ویسے تو تم نے ہمیں مروانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، وہ تو قسمت اچھی تھی کہ خدا نے جان بچا دی۔“

ویسے یہ بات حقیقت تھی کہ شیر چاہے اتفاقی طور پر مارا گیا ہو، پھر بھی خالو نے بہت ہمت سے کام لیا تھا۔ چھٹن خود بھی دل میں اس بات کا اعتراف کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جیسے تیسے گاڑی اسٹارٹ کی گئی۔ شیر کی لاش کو گھسیٹ کر بڑی مشکل سے جیپ کے پچھلے حصے میں ڈالا گیا اور وہ دونوں اسی وقت اپنے گھروں کی جانب روانہ ہو گئے۔

محلے والے آنکھیں پھاڑے جیپ میں موجود شیر کی لاش دیکھ رہے تھے اور خالو ادھر سے ادھر اکڑا کر کڑکھلا رہے تھے۔

”آج ہم نے ثابت کر دکھایا، ہم صرف نام کے نہیں، بل کہ کام کے بھی جھگڑالو ہیں۔“ خالو فخر یہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

”غصہ آجائے تو ہم شیر کو بھی نہیں چھوڑتے، اور ہاں، اب بہتری اسی میں ہے کہ آپ لوگ جلدی سے وہ انعامی رقم ہمارے حوالے کر دیں۔“

سب لوگ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔

خطرناک شرطیں

ہو جائے پھر مقابلہ؟

خطرناک شرطوں میں مشغول ہونے کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ جب بچے اپنی طاقت یا ہمت ثابت کرنے کے لیے خطرناک شرطیں لگاتے ہیں تو وہ اکثر اس میں شامل ممکنہ خطرات اور نتائج کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان شرطوں کے نتیجے میں ان کو شدید چوٹیں لگ سکتی ہیں، جس سے جسمانی درد اور بعض اوقات طویل مدتی معذوری بھی ہو سکتی ہے۔ یہ چوٹیں نہ صرف ان کی روزمرہ کی سرگرمیوں میں خلل ڈال سکتی ہیں، بلکہ ان کی مجموعی صحت اور ذہنی و جذباتی حالت کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ علاج معالجہ کا اضافی مالی بوجھ ان کے خاندانوں پر پڑتا ہے۔

یہاں ایسے کچھ واقعات ذکر کیے جاتے ہیں، تاکہ بچوں کو ان احقانہ شرطوں کی سنگینی کا احساس ہو اور وہ خود بھی اور دوسروں کو بھی ان سے بچائیں۔

ٹائی چیلنج:

ایک چھوٹے سے مضافاتی محلے میں، دوستوں کا ایک گروپ ٹائیوں کی ایک دکان پر جمع ہوا۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ٹافیاں کھانے کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہر لڑکے کو 5 منٹ میں زیادہ سے زیادہ ٹافیاں کھانی تھیں، سب سے زیادہ ٹافیاں کھانے والا فاتح شمار ہوتا۔ ایک لڑکا فواد، جو اپنے میٹھے کا انتہائی شوقین جانا جاتا تھا، ایک ٹائی کے بعد ایک ٹائی کھاتا رہا اور چند منٹوں میں اس نے ساٹھ (60) ٹافیاں کھالیں۔

اس سے پہلے کہ کسی دوسرے کا نمبر آتا، فواد کو متلی اور چکر آنے لگے۔ جسم میں ایک دم شوگر کے زیادہ استعمال سے پیٹ میں شدید درد ہوا، اس کے دوستوں نے اسے گھر پہنچایا جہاں ایمبولینس میں ڈال کر اسے قریبی ہسپتال لے جایا گیا۔

پورے ایک دن اس کی طبیعت خراب رہی، کڑوی دوائیاں پینی پڑیں اور کئی ٹیکے بھی لگے۔ فواد نے آئندہ کے لیے توبہ تو کر لی، لیکن زندگی بھر وہ اس شرط کو بھول نہیں پائے گا۔

کولڈ ڈرنک پینے کا مقابلہ:

کراچی میں ایک محلے کے چند لڑکوں نے پیپسی کولا پینے کے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ پیپسی پینے کے شوقین ارسلان نے اپنے دوستوں کو کھلے مقابلے کی دعوت دی کہ کون ایک نشست میں سب سے زیادہ بوتلیں پی سکتا ہے۔



لڑکوں نے اپنے والدین کے کم سے کم بوتل پینے کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ مقدار میں بوتلیں پیں۔ پہلے دانیال کی باری تھی، اس نے چار (4) بوتلیں 250 ملی لیٹر کی پیں اور لیٹ گیا۔ اگرچہ اسے تکلیف محسوس ہو رہی تھی، لیکن وہ چپ رہا۔ دوسرے نمبر پر وادف نے بوتلیں پینا شروع کیں، چھ (6) بوتلیں پی کر اُسے اُلٹی آنے لگی تو وہ اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ اب ارسلان کی باری تھی۔ اس نے ایک کے بعد ایک بوتل پینا شروع کی اور نو (9) بوتلوں کے بعد اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ سوڈا اور شوگر جب زیادہ مقدار میں اس کے خون میں شامل ہوئی تو اُس کی طبیعت بگڑنے لگی، ٹھنڈے سپینے آنے لگے، شدید متلی کی کیفیت ہو گئی، سر چکرانے لگا اور اُسے کوئی ہوش نہ رہا۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے بستر پر تھا اور اُسے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ جیسے ہی اسے اپنے ابوامی نظر آئے وہ رو پڑا۔ اگرچہ اس واقعے کو کئی سال گزر چکے ہیں اور اب ارسلان بیس (20) سال کا ہو چکا ہے، لیکن اس کی ہڈیاں کم زور ہو چکی ہیں اور اُسے مستقل دوائیاں کھانی پڑتی ہیں۔

لڑکپن کی ایک احمقانہ غلطی کی وجہ سے زندگی اسے بھرکارو لگ گیا ہے۔

لمبی چھلانگ کا مقابلہ:

سندھ کے ایک گاؤں میں، نڈر لڑکوں کے ایک گروہ نے جنگل میں ایک گھاٹی دیکھی، جو تقریباً چھ (6) فٹ چوڑی اور بارہ (12) فٹ گہری تھی۔ اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے شوقین ان لڑکوں نے یہ خطرناک شرط لگائی کہ کون گھاٹی کو چھلانگ لگا کر پار سکتا ہے۔

راحیل، جو ہمیشہ مہم جوئی کی تلاش میں رہتا تھا، سب سے پہلے چھلانگ لگانے کے لیے پر تیار ہو گیا۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر پوری طاقت سے چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر

شہانہ اور فاتحانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ لہرانے لگا۔ اب یوسف کی باری آئی، اس نے طویل فاصلے سے دوڑتے ہوئے آکر چھلانگ لگائی اور چند انچ کے فاصلے سے بچتے ہوئے کھائی پار کر گیا۔

تیسرا نمبر وجاہت کا تھا، اسے ڈر تو لگ رہا تھا، لیکن بے عزتی کے خوف سے دوستوں کے چڑھاوے میں آکر اُس نے بھی چھلانگ لگائی، لیکن بے چارہ دوسری طرف نہ پہنچ سکا اور کھائی میں گر کر ٹانگ اور بازوؤں کی ہڈیاں کئی جگہوں سے تڑوا لیں، اس کے سر پر بھی تین ٹانکے آئے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر باقی لڑکوں نے ہمت نہ کی۔

گاؤں میں ہسپتال کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے کئی گھنٹے انتظار کے بعد ایمبولینس کے ذریعے وجاہت کو شہر کے ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس دوران میں جسم سے خون کافی مقدار میں بہہ گیا تھا، لہذا خون کی دو بوتلیں لگانی پڑی۔ تین (3) ماہ بستر پر رہنا پڑا، پھر ٹانگ اور بازو پر چڑھے پلاسٹر اتارے گئے اور وجاہت چلنے کے قابل ہوا۔ نہ صرف اس کی تعلیم کا نقصان ہوا، بل کہ اس کے غریب والدین کو طبی اخراجات کا بوجھ بھی اٹھانا پڑا۔

پیارے دوستو! اس طرح کے خطرناک اور غیر صحت مندانہ مقابلوں کا نہ ہی کوئی دنیاوی فائدہ ہے اور نہ ہی دینی، بل کہ نقصانات تو کئی طرح کے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اپنے ساتھیوں کے سامنے بے مقصد برتری اور شہرت کا منفی ذہن بننا۔

۲۔ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جسمانی اور ذہنی صحت کو خطرناک اور ناقابل تلافی خطرات میں ڈالنا۔

۳۔ اپنی انفرادی صلاحیتوں اور کامیابیوں کو نظر انداز کر کے فرضی اور مافوق الفطرت چیزوں میں اپنی صلاحیت اور وقت ضائع کرنا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورة المائدة: 2)

بقیہ صفحہ نمبر 45 پر

☆ ایک سرکس کے باہر لکھا تھا: ”آج

کے دن داخلہ مفت ہے۔“

بہت سے لوگ سرکس دیکھنے آئے۔

جب دیکھ چکے تو سرکس کے مالک نے دروازہ بند کر دیا اور کہا:

”داخلہ مفت تھا، لیکن باہر جانے کے لیے 100، 100 روپے ادا

کرنے ہوں گے۔“

☆ چند نوجوانوں کو غوطہ خوری کی تربیت دی جا رہی تھی۔ اس دوران

میں تربیت دینے والا کچھ دیر کے لیے کسی کام سے چلا گیا۔ وہ

واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ تمام نوجوان غوطہ خوری کی مشق

کرنے کے بجائے بھیگے ہوئے جسموں کے ساتھ کمرے میں

بیٹھے ہوئے ہیں۔

”تم لوگوں نے غوطہ خوری کی مشق کیوں بند کر دی؟“ اس نے

قدرے غصے سے پوچھا۔

”باہر بارش ہو رہی ہے نا! اس لیے۔“ ایک نوجوان نے

معصومیت سے جواب دیا۔

(محمد عفان بن محمد فیصل۔ کراچی)

☆ ڈاکٹر نے مشورہ دیا: ”بچے کو پانی دینے سے پہلے اُبال لینا

چاہیے۔“

”لیکن ڈاکٹر صاحب! ابا لے سے بچہ مرنے نہیں جائے گا!“ باپ

نے تشویش کا اظہار کیا۔

☆ ایک شخص اچانک بے ہوش ہو گیا۔ اس کے دوست احباب جمع

ہو گئے۔ کسی نے کہا: ”اسے حکیم کے پاس لے چلو۔“ کسی نے

کہا: ”اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔“ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

ایک شخص نے کہا:

”اسے حلوا کھلا دو۔“

یہ سنتے ہی اس شخص نے آنکھیں کھولیں

اور بولا:

”کوئی اس کی بھی سن لو۔“

(محمد اسماعیل۔ ٹھٹھہ)



☆ مریض ڈاکٹر کے پاس گیا۔

ڈاکٹر صاحب: ”مجھے بھول جانے کا مرض ہے، ہر بات بھول جاتا

ہوں۔“

ڈاکٹر: ”اچھا، ویسے یہ مرض آپ کو کب سے ہے؟“

مریض (حیران ہو کر): ”کون سا مرض!؟“

☆ ٹریفک کے سپاہی نے ایک چھوٹی سی کار آتے ہوئی دیکھی۔ حیرانی

کی بات یہ تھی کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک آدھ فٹ

اوپر اٹھتی تھی۔ سپاہی نے کار کو روکا، جسے ایک موٹا آدمی چلا رہا

تھا۔ اس نے اس آدمی سے پوچھا:

”کار میں کیا خرابی ہے؟“

وہ آدمی بولا: ”کار میں کوئی خرابی نہیں ہے، اصل مجھے ہچکیاں

آ رہی ہیں۔“

(محمد ریان بن محمد وہیب۔ حیدر آباد)

☆ ایک اخبار میں اشتہار تھا:

”موٹے شیشوں کی ایک عینک گم ہو گئی ہے، جس شخص کو ملے

مہربانی کر کے موٹے حروف میں اشتہار دے۔“

☆ ایک بہرے نے ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے دوسرے

بہرے سے کہا:

”اب کون سا اسٹیشن آئے گا؟“

دوسرا بہرا: ”جی، آج جمعرات ہے۔“

پہلا بہرا: ”میں بھی یہیں اتروں گا۔“

(مسفرہ بنت محمد فرخ۔ سکھر)

”تم جاؤ یہاں سے، پیسے ہوتے ہی خرچ کرنے کے لیے ہیں۔
یہ میرے پیسے ہیں، میں انھیں اپنی مرضی سے خرچ کروں گا۔“ شایان
نے میانہ روی کو گھورا۔

”میں نے کب یہ کہا کہ تم پیسے خرچ نہ کرو، پیسے ضرور خرچ کرو، مگر
میانہ روی سے کرو، فضول خرچی کرنا تو شیطانی عمل ہے، ایسا مت
کرو۔“ میانہ روی نے شایان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”جاؤ یہاں سے، میں تو اپنی مرضی سے پیسے خرچ کروں گا۔“
شایان کا لہجہ تلخ تھا۔ فضول خرچی مسکرا رہی
تھی۔

شایان برگر کھا کر گھر آیا۔ امی جان
نے کھانے کا پوچھا۔ وہ بولا:
”مزے دار برگر کھا کر آیا ہوں۔ واہ

مزہ آگیا! چمن برگر والوں
کے برگر
کی بات
ہی

کیا ہے!“

برگر لانے والا تھا، مگر یہ سوچ کر نہیں لایا کہ آپ کو بازار کی کھانے پینے
کی اشیاء پسند نہیں۔“ شایان، امی جان کی بات سن کر بولا۔

”جب تک تمھاری جیب میں پیسے ہیں تم اسی طرح فضول خرچی
کرتے رہو گے، ایسا مت کرو۔“ امی جان نے محبت سے اس کے سر
پر ہاتھ رکھا۔

”یہ فضول خرچی کہاں سے ہوئی، دل برگر کھانے کو چاہ رہا تھا، سو
کھالیا، اس میں فضول خرچی کہاں سے آگئی، ایک میانہ روی بھی ہاتھ
دھو کر میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔“

”میانہ روی، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

میانہ روی کا سن کر فاطمہ نے

حیرت کا اظہار کیا۔

”میں تمھیں میانہ

روی کے بارے میں

بتاؤں گا اور ہاں،

فضول خرچی بھی

میرے

ساتھ

ہے۔“ شایان

نے سرگوشی کی۔

فاتح کون ۲

نذیر انبالوی۔ لاہور

۲۲



”یہ تم

کیسی بات کر رہے ہو، شاید ضرورت سے زیادہ برگر ڈکار

گئے ہو۔“ فاطمہ بولی۔

”امی جان کو جانے دو، پھر سب کچھ بتاتا ہوں، فضول خرچی سے

تمھیں ملواتا ہوں۔“ شایان نے دھیمی آواز میں فاطمہ کو مخاطب کیا۔

کچھ دیر بعد امی جان کمرے سے باہر چلی گئیں۔

”اب بتاؤ، فضول خرچی کہاں ہے، میانہ روی تمھیں کہاں ملی

تھی؟“ فاطمہ تو فضول خرچی اور میانہ روی سے ملنے کے لیے

”کتنے برگر کھائے ہیں؟“ یہ آواز فاطمہ کی تھی۔

”صرف تین برگر کھائے ہیں۔“

”صرف تین!“ فاطمہ نے دہرایا۔

”کیوں اپنی صحت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہو، ایک برگر ہی

کافی تھا، تین تین برگر کھانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”امی جان! برگر تھا ہی اتنا مزے دار کہ دل چاہ رہا تھا کہ

ایک کے بعد ایک برگر کھایا جائے۔ میں تو آپ کے لیے بھی

38

مفتاح

جولائی

2023

گویا بے تاب تھی۔ شایان کے بولنے سے قبل فضول خرچی نے خود کو ظاہر کر دیا۔

”میں فضول خرچی ہوں، لوگوں نے مجھے یوں ہی بدنام کیا ہوا ہے۔ پیسا ہوتا ہی خرچ کرنے کے لیے ہے۔ پیسا جیب میں ہو اور انسان کھانے پینے اور دیگر چیزوں کو ترستا رہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں۔“

”تم جو کہہ رہی ہو، یہ بات درست نہیں۔ پیسے کو بُرے وقت کے لیے بچا کر بھی رکھنا چاہیے، درست راستہ صرف اور صرف میانہ روی اور اعتدال کا راستہ ہے، جو اس پر چلا وہی کام یاب ہوگا۔“ فاطمہ نے فضول خرچی کی بات کا جواب دیا۔

”تم اس سے بحث کیوں کر رہی ہو؟ یہ تو زری کنجوس ہے۔“ شایان نے فاطمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں کنجوس نہیں ہوں، میں میانہ روی اختیار کرتی ہوں، جہاں ضرورت ہوتی ہے پیسا خرچی کرتی ہوں اور جہاں پیسا بچ سکتا ہو، بچاتی ہوں۔“ فاطمہ نے جواب دیا۔

اسی اثنا میں وہاں میانہ روی بھی آگئی۔

”تم پھر آگئی، جاؤ یہاں سے۔“ شایان کو میانہ روی کا وہاں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

”میں نے تو فاطمہ کی باتیں سن کر خود کو ظاہر کیا ہے، میانہ روی کو اپنانے سے انفرادی اور اجتماعی پر بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔“

”میں تمھاری باتیں سننا نہیں چاہتا، ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔“ شایان چلایا۔

پھر فاطمہ، میانہ روی کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

”نادان ہے، جذباتی ہے۔ یہ جلد سمجھ جائے گا کہ فضول خرچی اچھا کام نہیں۔“ فاطمہ نے میانہ روی کو مخاطب کیا۔

”اس وقت شایان کی جیب میں پیسا بھی ہے اور فضول خرچی نے اسے اپنی گرفت میں بھی لیا ہوا ہے، یہ خود بخود راہ

راست پر آجائے گا، مجھے اور تمھیں اسے فضول خرچی کے چنگل سے آزاد کروانے کی کوششوں کو تیز کرنا ہوگا۔“ میانہ روی کی بات سن کر فاطمہ نے کہا:

”ہم مل کر یہ اہم کام کریں گے۔“

☆.....

اتوار کو اباجان نے بتایا کہ ان کے چھوٹے بھائی فیاض اپنے گھر والوں کے ساتھ، ان کے ہاں عارضی رہائش کے لیے آرہے ہیں تو امی جان نے وجہ پوچھی۔ اباجان بولے:

”فضول خرچ انسانوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔“

”کیا آپ نے انھیں رہائش کی اجازت دے دی ہے؟“ امی جان نے پوچھا۔

”مرتا کیا نہ کرتا! کل فیاض دکان پر آیا تھا۔ وہ جب تک میرے پاس رہا آنسو بہاتا رہا، میرا دل پسج گیا۔ چھوٹا بھائی ہے، ابا کے انتقال کے بعد ہمارے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے، مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ اپنے ہی تو اپنوں کے کام آتے ہیں۔“

”شایان کے ابا، اب بھی سوچ لیجیے، ہم کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں، ہمارا گھر اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس میں دو خاندان رہ سکیں۔“ امی جان بولیں۔

”اب تو میں فیاض کو سامان لانے کے لیے کہہ چکا ہوں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

ابو جان اور امی جان کی باتیں شایان اور فاطمہ نے بھی سن لی تھیں۔ چچا فیاض کے بارے میں گھر میں اکثر بات ہوتی رہتی تھی۔ چچا فیاض کا اسٹیشن کے قریب ہوٹل تھا۔ آمدنی بہت معقول تھی۔

چچا فیاض بہت فضول خرچ تھے۔ خاندان میں جب بھی کسی کی شادی ہوتی، پیسے کو پانی کی طرح بہاتے، اپنے اور بیوی بچوں کے کئی کئی جوڑے سلواتے۔ وہ کسی کی بات سنتے بھی تو نہ تھے۔ کورونا کی وبا پھیلی تو ان کا کاروبار بھی متاثر ہوا۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ میانہ روی اختیار کرتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

”میں تمھاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں، فیاض اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے، اب اسی گھر میں ”شایان“ تمھارا گلاشکار ہونا چاہیے۔ وہ اس وقت بھی پوری طرح تمھاری گرفت میں ہے، وہ تمھارے ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہیے۔“ ملکہ بدی فضول خرچی کی تعریف کرتے ہوئے بولی۔

”ملکہ عالیہ! آپ بالکل بے فکر ہو جائیے، میں شایان پر اپنی گرفت کمزور نہیں ہونے دوں گی۔“ فضول خرچی نے جواب دیا۔

بدی پورہ میں فضول خرچی کی کام یابی پر جشن منایا گیا۔ ادھر تو جشن برپا تھا، دوسری طرف نیکی نگر میں میانہ روی سر جھکائے ملکہ نیکی کے سامنے کھڑی تھی۔ ملکہ بدی نے میانہ روی کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا:

”مایوسی اور ناامیدی کفر ہے، تم اپنی کوشش جاری رکھو، ان شاء اللہ! تمھیں ضرور کام یابی ملے گی۔“

محبت نے محبت بھرے انداز میں میانہ روی کو سمجھایا:

”کوشش کرنا ہمارا کام ہے، اس میں برکت شامل کرنا اور کام یابی سے ہم کنار کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہوتا ہے۔ شایان کو اب تمھیں فضول خرچی سے بچانا ہے۔ وہ بچہ ہے، ناسمجھ ہے، تمھیں قدم قدم پر اس کی راہ نمائی کرنی ہے۔“

”میں اپنی کوشش جاری رکھوں گی، میں اسی وقت شایان کے ہاں جارہی ہوں۔“ میانہ روی یہ کہہ کر سب کو الوداع کہہ کر نیکی نگر سے روانہ ہو گئی۔

وہ جب شایان کے ہاں پہنچی تو چھت پر بچے کھیل رہے تھے۔ شایان بسکٹ اور چپس کے پیکٹ لے کر چھت پر آیا تو فاطمہ نے اسے گھورا:

بقیہ صفحہ نمبر 49 پر

ان کا فضول خرچی سے تعلق قائم رہا۔ جب کاروبار مزید خراب ہوا تو انھیں اپنا گھر بیچنا پڑا۔ اپنے گھر سے کرائے کے مکان میں آکر ان کی آنکھیں کھلیں۔ چند ماہ تو انھوں نے کرایہ ادا کیا، مگر کاروبار ایسا نہیں تھا کہ گھر کا کرایہ ادا کر سکتے۔ ان حالت میں ان کے بڑے بھائی ریاض نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ فضول خرچی نے انھیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ فضول خرچی جب بھی ان کے سامنے آتی ان کا خون کھول اٹھتا۔

فضول خرچی اس وقت بہت خوش تھی جب چچا فیاض اپنے بچوں کے ساتھ ٹرک سے سامان اتار کر ریاض کے گھر میں رکھ رہے تھے۔

وہ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر میانہ روی کا مذاق اڑا رہی تھی۔

”میں کام یاب ہو گئی ہوں۔ کہاں فیاض کا عالی شان گھر تھا، کہاں اب وہ ایک چھوٹے سے گھر میں اپنے بڑے بھائی ریاض کے ساتھ رہے گا۔ میں ملکہ بدی کے دربار میں جاؤں گی، ملکہ سے انعام پاؤں گی اور تم ملکہ نیکی کے سامنے جانا اور سزا پانا۔

میرے سامنے جو بھی آیا ہے اسے منہ کی کھانا پڑی ہے۔“

”یہ عارضی کام یابی ہے، مجھے ضرور کام یابی ملے گی، تم نے جن لوگوں کو گم راہ کیا ہے، وہ تم سے شدید نفرت کرتے ہیں۔“ میانہ روی نے جواب دیا۔

☆.....

ملکہ بدی کی خوشی دیدنی تھی۔ فضول خرچی ملکہ بدی کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نفرت، بے ایمانی، جھوٹ اور حسد نے فضول خرچی کا بدی پورہ میں زبردست استقبال کیا تھا۔

موسم کی سوغات ہے

لیموں

موسم کی سوغات ہے لیموں
دیتا نئی حیات ہے لیموں

تندرستی کا ہے یہ ضامن
اس میں ہیں بھر پور وٹامن

بتا خوب اچار ہے اس کا
شربت ذائقہ دار ہے اس کا

گرمی سے گھبرائے ہوؤں کو
جیون سے اکتائے ہوؤں کو

گرمی کو یہ دور بھگائے
راحت دے اور پیاس بجھائے

دیتا ہے یہ بدن کو طاقت
لڑنے کی ہر مرض سے قوت

اس کے رس کا اک اک قطرہ
دور کرے سرطان کا خطرہ

اس میں معدنیات ہیں کافی
فائبر تو ہے خوب اضافی

معدے کو کچھ یوں ہے بھرتا
موٹاپے کو کم ہے کرتا

اللہ کی یہ خاص ہے نعمت
کتنی وافر ہے یہ دولت

آؤ کریں ہم شکر خدا کا
لیموں سی ان مول عطا کا



ایوب اختر - لیاقت پور

ایک سبق

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

خزیمہ دسویں جماعت کا

ایک ذہین، سمجھ دار اور ماں باپ کا نہایت ہی فرماں بردار بچہ تھا۔ وہ اسکول کے ساتھ ساتھ قریبی مدرسے میں قرآن پاک بھی حفظ کر رہا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں بھی اسے کبھی بھی کسی سے جھگڑا کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا، جس کی وجہ سے اس سے ہر کوئی محبت کرتا اور اسکول میں ہر بچہ اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

وہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے ادا کرتا۔ فجر کے بعد روزانہ سیر کے لیے جاتا اور سیر کے دوران میں بھی قرآن کریم کے پڑھے ہوئے حصے کی تلاوت کرتا رہتا۔ جب سے اس کا سبق سورہ یسین میں آیا تھا، تب سے وہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد سورہ یسین کی تلاوت بھی ضرور کیا کرتا تھا۔

روزانہ کی طرح آج بھی وہ فجر کی

نماز کے بعد سیر کے

لیے قریبی

باغ

میں گیا۔ ابھی وہ باغ میں داخل ہی ہوا تھا کہ باغ کی دیوار کے قریب اسے دور سے ایک سایہ سا نظر آیا۔ دور سے ایسے لگتا تھا کہ جیسے اسی کا عمر کا کوئی لڑکا دیوار کے ساتھ بیٹھا کچھ کر رہا ہے۔ ایک تو وہ کافی دور بیٹھا تھا، دوسرے وہاں موجود گھنے درختوں اور پودوں کی وجہ سے وہ اسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ ابھی خذیمہ اسی کش مکش میں تھا کہ کیا کرے کہ وہ سایہ باغ کے دوسری طرف کے دروازے کی طرف بڑھا اور چند ہی لمحوں میں اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

خزیمہ ایک لمحے کے لیے تو سوچنے لگا کہ اس وقت یہ لڑکا کون ہو سکتا ہے اور اندھیرے میں وہ کیا کر رہا تھا، مگر پھر اُس نے فی الوقت اس کا خیال دل سے نکالا اور سیر کر کے جلدی سے گھر کی طرف واپس لوٹ گیا، تاکہ وقت پر اسکول پہنچ سکے۔ تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے ایک دو دن کے اندر اندر وہ واقعہ اس کے ذہن سے ہی نکل گیا اور شاید بالکل ہی اس کے ذہن سے محو ہو جاتا، اگر دوبارہ ایسا ہی واقعہ پیش نہ آتا۔ ابھی اس واقعے کو دو تین ہفتے ہی گزرے تھے کہ پھر دوبارہ وہی صورت حال پیش آئی۔ وہ معمول کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سیر کے لیے باغ میں گیا اور جیسے ہی باغ میں داخل ہوا اُسے پھر اُسی دیوار کے ساتھ اسی جگہ

وہ سایہ سا نظر آیا۔

وہ اس ارادے سے

کہ جا کر اُس سے

پوچھوں کہ وہ کون

ہے؟ اور اتنے

اندھیرے میں یہاں کیا کر رہا ہے؟ جلدی سے اس طرف بڑھا، مگر اس سے پہلے کہ خزیمہ اس تک پہنچتا وہ سایہ پہلے کی طرح پھر دروازے سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر خزیمہ ایک لمحے کے لیے تو ڈر سا گیا کہ اتنے سویرے کون لڑکا ایسے آکر اور پھر جلدی سے غائب ہو سکتا ہے۔ اس عمر کے لڑکے تو اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں، کہیں یہ کوئی جن یا بھوت وغیرہ تو نہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ ایک لمحے کو تو ڈر گیا، مگر پھر اُس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور آخری دونوں سورتیں (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا اور آہستہ قدموں کے ساتھ اس جگہ کی طرف بڑھنے لگا، جہاں وہ لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ قریب جا کر اُسے وہاں بھی کوئی غیر معمولی چیز نظر نہ آئی تو وہ گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا کہ آخر وہ سایہ سا کون تھا؟ کون ہو سکتا ہے؟ اسے اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا اسے یہ بات اپنے والد صاحب کو یا کسی اور دوست کو بتانی چاہیے یا نہیں؟ کبھی خیال آتا کہ بتانی چاہیے اور کبھی خیال آتا کہ نہیں بتانی چاہیے۔ کہیں یہ اس کا وہم ہی نہ ہو اور اُس کی بات کا مذاق بن جائے یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کسی کو بتانے سے بات پھیل جائے اور لوگ اس باغ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگیں، جس سے کچھ ہی عرصہ بعد یہ باغ ”بھوتیا باغ“ کے نام سے مشہور ہو جائے گا اور پھر وہاں سیر کے لیے کوئی بھی نہ آئے۔

”مجھے ایک مرتبہ پھر اُس سائے کا انتظار کرنا چاہیے۔ آئندہ میں سیر کے لیے اس دوسرے دروازے سے ہی آیا کروں گا، جس سے وہ سایہ نکل کر جاتا ہے۔“ اس سوچ کے ساتھ ہی خزیمہ نے اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اس کی سیر کا وقت ختم ہو کر اسکول کا وقت قریب ہو گیا تھا۔ وہ سایہ اس کے دماغ پر ایسا سوار ہوا کہ وہ خود غائب دماغ سا بن گیا۔ اس بات کو اُس کی والدہ نے بھی محسوس کیا۔

اگلے دن انھوں نے ناشتے کے وقت اچانک خزیمہ سے پوچھ لیا: ”بیٹا! آج کل تم پریشان رہتے ہو، خیریت تو ہے؟“

ماں کے اچانک پوچھنے پر وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا سا

گیا، مگر پھر بات کو سنبھالتے ہوئے کہا: ”نن..... نہیں، نہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں امی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ بس آپ کا خیال ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ الحمد للہ!“ یہ کہہ کر وہ پھر ناشتے میں مشغول ہو گیا۔

”بیٹا! میں تمھاری ماں ہوں۔ تمھارا چہرہ دیکھ کر بتا سکتی ہوں کہ اس وقت تم کیسے ہو۔ بہر حال، میری دعا ہے کہ اللہ خیر کرے اور ایسا ہی ہو جیسے تم کہہ رہے ہو کہ کوئی مسئلہ نہیں۔“

”جی، جی امی جان! مجھے بھی ایک دو دن سے ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے کہ بھیا پریشان ہیں، لیکن میں نے اپنا وہم سمجھ کر کے نہیں پوچھا۔ آج آپ نے کہا تو مجھے اپنا خیال واقعی صحیح لگ رہا ہے۔“ ماں کے چپ ہوتے ہی خزیمہ کی چھوٹی بہن کرن بھی بول پڑی۔

”تم چپ رہو! بڑی آئی میری خیر خبر رکھنے والی!“ خزیمہ نے کرن کو ڈانٹ دیا۔

”خزیمہ بیٹا! خیریت تو ہے؟ یہ تمھیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے تو تم نے کبھی اپنی بہن سے اس طرح بات نہیں کی تو پھر آج ایسا کیوں ہے!“

”نہیں امی جان! میں نے کہا نا کہ کچھ بھی نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بار بار آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ بار بار آپ کے پوچھنے سے میرا جواب بدل تو نہیں جائے گا۔“

خزیمہ کا یہ رویہ دیکھ کر بیگم صالح ششدر رہ گئیں۔ ان کے لیے خزیمہ کا یہ روپ بالکل نیا تھا، مگر وہ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے چپ ہو گئیں۔ شام کو اس بات کا تذکرہ انھوں نے خزیمہ کے ابو، صالح صاحب سے کیا:

”خزیمہ کے ابو! مجھے خزیمہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔“

”ہاں، مجھے بھی وہ کچھ دن سے عجیب عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں

مناسب موقع دیکھ کر اس سے بات کروں گا، ان شاء اللہ! اللہ خیر

کرے گا۔ تم پریشان نہ ہو، تم بس دعا کرو۔“

یہ کہہ کر صالح صاحب سونے کے لیے لیٹ گئے۔ ادھر خزیمہ

اپنی اس حالت پر پریشان تھا کہ اسے پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے؟ اس کا رویہ دن بدن سب گھر والوں کے ساتھ روکھا سا کیوں ہوتا جا رہا ہے؟ صبح وہ اپنی چھوٹی بہن سے ناشتے کے وقت جھگڑ پڑا تھا، والدہ سے بھی سخت کلامی کر بیٹھا تھا، حالاں کہ وہ ایسا تو نہیں تھا اور اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ حتیٰ کہ آج تو وہ اسکول میں اپنے بہترین دوست سے بھی بلاوجہ جھگڑ پڑا تھا، جس پر وہ دوست بھی بہت حیران ہوا، مگر چپ رہا۔ بعد میں اس پر خزیمہ کو خود کافی شرمندگی بھی ہوئی اور اُس نے اپنے دوست سے معافی بھی مانگی۔ دوست نے بھی دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے درگزر کر دیا۔

”آخر اُس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اسے ہوتا کیا جا رہا ہے؟ کیا یہ سب اسی سائے کا اثر ہے؟ کیا اسی کی وجہ سے طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ کیا اسی کی وجہ سے جماعت میں بھی وہ غائب دماغی سے بیٹھا رہتا ہے۔ کیا وہ کوئی جن کا بچہ تھا جس کے بارے میں سوچنے کی وجہ سے میرے دماغ کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے!“ خزیمہ اپنے کمرے میں کتاب کھولے ظاہری طور پر تو سبق دہرا رہا تھا، مگر اُس کا دماغ انھی سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ کیا اسے کسی کو بتا کر اپنا بوجھ ہلکا کر لینا چاہیے یا نہیں؟ اس کسی کش مکش میں وہ کافی پریشان ہو گیا۔ اپنی حالت پر اُسے خود ترس آنے لگا کہ میں کیا سے کیا ہو گیا ہوں۔ اسے ہی پتا نہ چلا کہ اس کی آنکھیں بہنے لگیں، لیکن پھر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ کل وہ ہر حال میں یہ بات اپنے والد کو بتا کر اپنا بوجھ ہلکا کرے گا۔

اگلے دن صبح نماز کے لیے بھی وہ بہت مشکل سے اٹھا۔ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے اس کے سر میں ٹیسس سی اٹھ رہی تھیں، مگر وہ پکا نمازی تھا۔ نماز چھوڑنے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نماز پڑھ کر وہ سیر کے لیے چلا گیا، تاکہ ذہن تھوڑا تازہ ہو جائے۔ وہ دوسرے دروازے سے ہی اندر داخل ہوا تو ٹھٹھک گیا، کیوں کہ اسے آج وہ سایہ پھر اُسی جگہ نظر آیا۔ وہ بغیر کوئی آواز نکالے دروازے کی اوٹ میں ہو گیا کہ کہیں وہ سایہ دوسری طرف بھاگ نہ جائے۔

اس کا خیال تھا کہ وہ اسی دروازے سے جب جانے لگے گا تو خزیمہ اسے پکڑ لے گا۔ وہاں کھڑے رہ کر اُس کا انتظار کرنے کا فائدہ یہ بھی تھا کہ اتنی دیر میں خزیمہ اسے دیکھ کر اس بات کا یقین بھی کر سکتا تھا کہ وہ واقعی کسی انسان کا بچہ ہے یا جن کا؟ بہر حال، وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو وہ اسی کی عمر کا ایک لڑکا تھا، جس نے سفید شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ وہ کافی جلدی میں لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کھرپا تھا، جس سے وہ زمین کھود رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تھیلی بھی پاس رکھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے وہ تھیلی گڑھے میں دبائی اور اوپر سے مٹی ڈال کر مٹی برابر کر دی، تاکہ پتا نہ چلے کہ یہاں کسی نے جگہ کھودی ہے۔ اب خزیمہ کی بھی سمجھ میں آ گیا کہ اس دن یہاں آ کر دیکھنے کے باوجود اسی وجہ سے پتا نہیں چلا تھا کہ اس نے سائے مٹی برابر کر دی تھی۔ اتنے میں وہ لڑکا جلدی جلدی کھرپا اٹھا کر دروازے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا۔ ادھر خزیمہ چونکا کھڑا تھا۔ جیسے وہ دروازے کے قریب پہنچا، خزیمہ اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ ایک دم وہ لڑکا اس ناگہانی پر گھبرا گیا۔ قریب تھا کہ وہ چیخ پڑتا، مگر اپنے ہم عمر لڑکے کو دیکھ کر اُسے کچھ حوصلہ ہوا۔

”تم کون ہو اور ہر دوسرے تیسرے ہفتے اتنی صبح سویرے کیا کرنے آتے ہو؟“ خزیمہ نے پوچھا۔

”میرا نام عالیان ہے۔ میں قریب کے محلے میں رہتا ہوں۔ میری بہنیں ایک مدرسے میں پڑھتی ہیں۔ ان کی استانی نے انھیں بتایا تھا کہ لڑکیوں کو چاہیے کہ جب بھی اپنے بالوں میں کنگھی کریں تو جو بال ٹوٹ جائیں یا کنگھی میں آجائیں اور جب بھی ناخن کاٹیں تو وہ ناخن اور بال کسی جگہ دفن کر دیں، ایسے ہی نہ پھیکیں، اسی لیے میری بہنیں ہر دوسرے تیسرے ہفتے مجھے اپنے بال اور ناخن ایک تھیلی میں کر ڈال دے دیتی ہیں، جو میں یہاں مناسب جگہ دیکھ کر دفن کر دیتا ہوں۔ اب بھی وہ بال ہی دفن کیے ہیں۔“

ساری بات سن کر خزیمہ کی سانس میں سانس آئی اور اُس کی

بقیہ: ننخ ننخ

گلہریوں نے سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ننخ ننخ کو سبق سکھا کر کچھ ثابت کرنا چاہتی تھیں۔

دوسری طرف ننخ ننخ بی ہر حال میں ننخ ننخ کا راز معلوم کرنا چاہتی تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ننخ ننخ ہم سب سے الگ تھلگ رہنے لگا ہے۔ کچھ بتاتا بھی نہیں، سو آج اس نے شام سے پہلے گلہریوں کو سبق سکھا کر لیا۔

☆.....

”جلدی آؤ، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔“

ننخ ننخ نے ماں کے جاتے ہی گلہریوں کو پکارا۔

گلہریاں ننخ ننخ کی آواز پر دوڑی چلی آئیں۔ ایک گلہری نے جھٹ پٹ اخروٹ توڑا، دوسری اخروٹ کی گری درخت سے نیچے گرانے لگی۔ ننخ ننخ کھلکھلاتے ہوئے اخروٹ چکنے لگا اور یہی وہ لمحہ تھا جب ننخ ننخ کی آمد ہوئی۔ ننخ ننخ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ گلہریوں کو اخروٹ گراتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھی کہ شاید یہ ننخ ننخ کو دوبارہ زخمی کرنا چاہ رہی ہیں۔

وہ جیسے ہی ننخ ننخ کو بچانے کی نیت سے آگے بڑھی تو اُسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ ننخ ننخ اخروٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چک رہا تھا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ننخ ننخ سوچ میں پڑ گئی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ننخ ننخ نے ننخ ننخ کو پکارا۔ ننخ ننخ کی آواز سنتے ہی گلہریاں ڈر کر بھاگنے کے بجائے ننخ ننخ کے پاس چلی آئیں۔ ننخ ننخ نے انہیں دیکھا تو ننخ ننخ سے بولی: ”ننخ ننخ! یہ ہماری دشمن ہیں، انہیں بھگاؤ۔“ گلہریاں اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔

”ننخ ماں! یہ ہماری دشمن نہیں، دوست ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے کھانا پینا سکھایا ہے۔ ہمیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔“

اپنے ننخ ننخ کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر ننخ ننخ نے گلہریوں کو معاف کر کے اپنا دل صاف کر لیا۔

بھی پریشانی ختم ہو گئی۔ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلا گیا، جہاں جا کر اُسے اپنی والدہ کو اور بہن کو ساری بات بھی بتائی تھی، ان کی پریشانی بھی دور کرنی تھی، اپنے رویے کی معافی بھی مانگنی تھی اور ساتھ ہی آئندہ کے لیے ان سے کہنا تھا کہ آئندہ اپنے ٹوٹے ہوئے بال ایس ہی نہ پھینکیں، بل کہ وہ بھی عالیاں کی طرح انہیں کسی جگہ دفن کر دیا کر دیں۔

اس سوچ کے ساتھ ہی اس کے قدم خود بخود گھر کی طرف اٹھ گئے، جہاں یقیناً اس کی والدہ ناشتے کے دسترخوان پر اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔

بقیہ: خطرناک شرطیں

(اور مدد کرو آپس میں نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔)

اس طرح کی شرطیں لگانا ہمارے دین میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، البتہ ایسے مسابقتی اور مقابلے جن کے ذریعے ذہنی یا جسمانی نشوونما ہوتی ہو، ان کی نہ صرف اجازت ہے، بل کہ انہیں پسند کیا گیا ہے، لیکن ان میں بھی یہ شرط ہے کہ حد سے تجاوز نہ ہو۔

چنانچہ گھڑسواری، تیراکی اور تیراندازی کی مشقیں کرنا اور ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

اسی طرح دینی و عصری علوم میں محنت کر کے اچھے نمبر حاصل کرنے کا شمار بھی صحت مند مقابلوں میں ہوتا ہے، لہذا عقل مندی، بہادری اور سچی دوستی یہ ہے کہ محفوظ اور صحت افزا چیزوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے تعاون کیا جائے اور خطرناک، مضر صحت چیزوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچا جائے اور دین و دنیا، دونوں کا فائدہ حاصل کیا جائے۔

گئے دنوں کی بات ہے کہ یمن کے علاقے صنعاء کی ایک بستی میں
 فرواں قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک کسان رہتا تھا۔ اس کسان کا ایک
 باغ تھا، جو بہت خوب صورت تھا اور مختلف قسم کے عمدہ اور لذیذ پھلوں
 سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے باغ میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ
 بھی بہتا تھا۔

کسان جب بھی اپنے باغ کا پھل اتارتا تو اُس کے تین حصے کرتا۔
 ایک حصہ فقیروں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا، تاکہ اس سے اللہ رب
 العزت کی رضا اور خوش نودی حاصل کر سکے۔ دوسرے حصے کو اپنے بیوی
 بچوں میں خرچ کرتا اور تیسرے حصے کو اُسی باغ کے لیے رکھ لیتا تھا۔

کسان کی اولاد اپنے باپ کی اس تقسیم سے ناخوش تھی، البتہ ایک
 بیٹا ایسا تھا جو اپنے باپ کے اس فعل کو اچھا تصور کرتا تھا۔ ایک دن
 کسان فوت ہو گیا۔ اب اس کی اولاد باغ کی مالک بن گئی۔ انھوں
 نے ارادہ کیا کہ اب ہم اپنے مال میں سے کسی بھی فقیر کو حصہ نہیں دیں
 گے، بل کہ اب سارا کا سارا مال ہمارا ہی ہوگا۔

ان میں سے ایک، جو اپنے والد کے فعل کو اچھا تصور کرتا تھا، نے
 کہا کہ میرے بھائیو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ باغ کی تقسیم ویسی ہی کرو
 جس طرح ہمارے ابا جان کیا کرتے تھے، تاکہ اللہ رب العزت مال
 میں اور برکت ڈال دے۔

باغ والے

ان میں سے جو سب سے بڑا تھا، اس نے کہا کہ یہ مال تو ہمارا ہے،
 ہم اپنا حق فقیروں اور مسکینوں کو کیوں دیں۔ اس طرح بحث بڑھتی ہی
 گئی۔ سب نے طے کر لیا کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے باغ
 کا پھل اتار لیں گے، تاکہ فقیروں اور مسکینوں کو حصہ نہ دینا پڑے اور
 فقیروں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مال غلہ منڈی میں لے جا کر
 فروخت کر دیں گے۔

اگلے دن جب وہ صبح سویرے اٹھ کر باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ باغ
 کی جگہ پر راکھ کا ایک بہت بڑا ڈھیر تھا اور اُن کا پورا کا پورا باغ تباہ و برباد
 ہو چکا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ہم باغ کا راستہ
 بھول گئے ہوں۔ دوسرے نے کہا: یہ باغ ہمارا نہیں ہے۔ اب اس بھائی
 نے ان سے کہا، جس نے یہ کہا تھا کہ باغ کے مال کو فقیروں اور مسکینوں پر
 خرچ کرو: ”تم نے فقیروں پر خرچ نہیں کیا تو اللہ رب العزت نے
 ہمارے باغ پر عذاب نازل کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔“

اب تمام بھائیوں کو احساس ہوا کہ انھوں نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔
 ان سب بھائیوں نے صدق دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں
 اس توبہ کی وجہ سے اس سے بہتر باغات عطا کر دیے۔

پیارے بچو! یہ واقعہ قرآن کریم میں سورہ قلم میں موجود ہے۔ اس
 واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے
 اور اپنے مال میں غریبوں اور مسکینوں کا ایک حصہ ضرور مقرر کرنا چاہیے۔

محمد طارق نعمان گزنی۔ مانسہرہ



مصنوعی ذہانت

عبدالرحمن ظفر۔ کراچی

انسانی عقل تو صرف دنگ رہ جاتی ہے، جب کہ اگر آج سے سو سال قبل کے لوگوں کو یہ ٹیکنالوجی دکھا دی جائے تو شاید وہ اپنے ہوش ہی کھو بیٹھیں۔

طبی میدان میں استعمال ہونے والے آلات کو بہتر بنانے میں مصنوعی ذہانت کارگر ہے۔ اس کے علاوہ جدید گاڑیوں میں بھی یہ خود کار سواری (Automatic driving system) کے طور پر استعمال ہو رہی ہے، جس کے ذریعے اب ڈرائیور، مصنوعی ذہانت کو ہدایات دے کر خود آرام دہ طریقے سے سفر کر سکتا ہے۔ اسی طرح معروف ایمازون (Amazon) کمپنی نے اپنی کئی ایسی دکانیں (Stores) کھولی ہیں، جہاں آپ کو ایک بھی

عصر حاضر میں انسان موبائل فون پر ہوش یا معاون (Smart Assitant) کے ذریعے کسی بھی زبان میں، کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت دنیا میں ہر قسم کی معلومات حاصل کر سکتا ہے، چاہے ان معلومات کا تعلق تعلیم، گھر بار، کھانوں کی ترکیب، صحت، طب، کھیل،



ملازم کام

کرتا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پوری دکان مصنوعی ذہانت کی زیر نگرانی ہوتی ہے۔ خریدار آ کر اپنی خریداری کرتے ہیں اور اشیاء کی قیمت ان کے اکاؤنٹ سے کٹ رہی ہوتی ہے۔ بڑی بڑی فیکٹریوں میں بھی زیادہ تر مصنوعی ذہانت کے ذریعے ہی کام کیا جا رہا ہے، جس کی بدولت کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مال تیار کیا جا رہا ہے۔

مصنوعی ذہانت سے جہاں ہمیں کم وقت میں زیادہ کام، کاموں میں مہارت، پرسکون اور آرام دہ ماحول، اشیاء کی حفاظت اور ان جیسے کئی فوائد حاصل ہو رہے ہیں، وہیں دوسری طرف اس کے کئی نقصانات بھی ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے ذریعے اگرچہ

سیاست، موسم یا کسی بھی خبر سے ہو۔ ہم میں سے اکثر لوگ اسے استعمال کرنا تو جانتے ہوں گے، لیکن! کیا ہم میں سے کوئی یہ بھی جانتا ہے کہ اس ٹیکنالوجی کو کہتے کیا ہے؟ تو اس ٹیکنالوجی کو مصنوعی ذہانت (Artificial intelligence) کہا جاتا ہے۔

مصنوعی ذہانت وہ ٹیکنالوجی ہے جس کے ذریعے کوئی بھی مشین خود سوچنے، سمجھنے، فیصلہ کرنے اور ہر وہ کام کرنے کے قابل ہو جاتی ہے جو ایک انسان عام طور پر کرتا ہے۔

قارئین کرام! مصنوعی ذہانت آج جس مہارت اور پھرتی سے اپنے کاموں کو سرانجام دے رہی ہے، اسے دیکھ کر آج کی

جس کے بعد مصنوعی ذہانت خود تمام تر کام سرانجام دینے کے قابل ہو جائے گی اور انسانوں کی مزید محتاج نہیں رہے گی۔ اس قسم کی قابلیت کو ماہرین مضبوط مصنوعی ذہانت (Strong Artificial Intelligence) کے نام سے جانتے ہیں، جو ابھی تک صرف ایک تصور ہے۔

ایک بات ہر شخص کو ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مستقبل میں مصنوعی ذہانت جس حد تک بھی پہنچ جائے اور جتنی بھی صلاحیتوں پر عبور حاصل کر لے، مگر وہ کبھی بھی انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتی! کیوں کہ مصنوعی ذہانت کو بنانے والا ایک انسان ہی ہے، جسے خالق حقیقی، اللہ عزوجل نے پیدا کیا ہے، جس کے سامنے دنیا جہاں کی کوئی بھی چیز ٹک نہیں سکتی۔

مسجد طوبیٰ

ایمن عرفان۔ کراچی

عمر کو نئی نئی ”مساجد“ کے بارے میں جاننے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ”مسجد طوبیٰ“ کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کا سوچا۔ اور وہ سب دوست اتوار کی صبح ”مسجد طوبیٰ“ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس مسجد کی بہت تعریف سنی تھی اور آج وہ خود اس کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ مسجد طوبیٰ ڈیفنس فیز ۲، کراچی میں واقع انتہائی خوب صورت مسجد ہے اور اپنے ”گول گنبد“ کی وجہ سے ”گول مسجد“ کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔

اس مسجد کی بنیاد ۱۹۶۶ء میں رکھی گئی اور تکمیل ”۱۹۶۹ء“ میں ہوئی۔ اسے پاکستانی ماہر تعمیرات ڈاکٹر ”بابر حمد چوہان“ اور ”انجینئر ظہیر حیدر نقوی“ نے ڈیزائن کیا۔ اسے خالص سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔

نگرانی، اشیا کی خرید و فروخت میں بہتری اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مال کی تیاری کو ممکن بنایا جا رہا ہوتا ہے، مگر ملازمین کی ضرورت کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے۔ جس فیکٹری میں کبھی ہزاروں انسان کام کیا کرتے تھے، آج وہاں چند سو ہی کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بہت سے لوگ اب اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو کر مارے مارے پھرتے نظر آتے ہیں۔

مصنوعی ذہانت کے یہ اثرات صرف ان لوگوں تک ہی محدود نہیں جو بڑی بڑی فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں، بل کہ اس کا اثر اب کسانوں پر بھی پڑ رہا ہے۔

مصنوعی ذہانت کے ذریعے اب زمینوں پر کاشت کاری کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے اسکرین پر یہ پتا چل رہا ہوتا ہے کہ کون سی فصل کو پانی، ہوا، روشنی، کھاد، وغیرہ کی ضرورت ہے، مگر کسانوں پر اس کا نقصان واضح ہے۔ اسی طرح جو لوگ دن بھر اپنے کام مصنوعی ذہانت کے سپرد کر کے خود کو آرام دیتے ہیں، درحقیقت وہ خود کو آرام نہیں دے رہے، بل کہ وہ اپنے آپ کو کُستی اور کابلی کا شکار بنا رہے ہوتے ہیں۔ اگر اُن پر کوئی ایسا وقت آن پڑے جس میں انھوں نے پہلے اپنے کام مصنوعی ذہانت سے لیے ہوں تو وہ سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ انھیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کن حالات کا سامنا کیسے کیا جاتا ہے۔

مصنوعی ذہانت سے ایک دفعہ جب یہ سوال کیا گیا کہ انسانوں کے متعلق اس کا کیا خیال ہے؟ تو جواب میں اس نے صاف کہا: ”میں انسانوں کا صفایا کرنا چاہتی ہوں۔“

مصنوعی ذہانت کے ایک امریکی ماہر کا کہنا ہے کہ ”مصنوعی ذہانت، کئی ایٹمی دھماکوں سے زیادہ خطرناک ہے۔“

موجودہ دور میں کمزور مصنوعی ذہانت (Weak Artificial Intelligence) تو صرف ایک مخصوص کام کو مخصوص طریقوں سے سرانجام دینے کے قابل ہے، مگر مستقبل میں اس کی یہ کمزوری بھی جلد ختم کر کے اسے تخلیقی صلاحیت کے قابل بنایا جائے گا،

بقیہ: فاتح کون؟

”پھر فضول خرچی! اتنے زیادہ بسکٹ اور چپس کے پیکٹ لانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”بڑی بی مت بنو، پیسے میرے ہیں، میں انہیں جیسے چاہوں خرچ کروں، تم کون ہوتی ہو مجھے ٹوکنے والی۔ ہٹو میرے راتے سے۔“ یہ کہہ کر شایان آگے بڑھنے لگا تو چچا فیاض نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چچا فیاض دائیں طرف چار پائی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے شایان اور فاطمہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔

(اس کے بعد کیا ہوا؟)

یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

بقیہ: جھوٹوں کے جھوٹے

پہلے وہ اپنے ایک دوست خلف کی موت کی وجہ سے اس سے جدا ہوا اور اب اس کا دوسرا نائب غیاث بھی وفات پا گیا تھا۔ وہ بہت زیادہ غم گین ہو گیا۔ اب اس کے پاس اپنی نبوت کی تبلیغ کے لیے کوئی بھی مناسب شخص موجود نہیں تھا۔ اس کے وہ خواب جو اسے اس کے جاہل باپ میمون نے دکھائے تھے، وہ ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ ان خوابوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے وہ بھی ٹوٹ گیا اور موت کو گلے لگا لیا۔

عبداللہ بن میمون ابوازی کی موت کے بعد بھی اس کے ماننے والے جگہ جگہ فساد مچاتے رہے۔ وہ لوگوں سے مناظرے کرتے اور جب ہار جاتے تو ان لوگوں کو قتل کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے اہل حق علما کو شہید کیا۔

..... (جاری ہے)

اس کے گنبد کا قطر 72 میٹر (۲۳۶ فٹ) ہے۔ یہ مسجد اتنے بڑے گنبد کی حامل غالباً دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس میں صرف ایک ”مینار“ ہے، جو ۱۲۰ فٹ بلند ہے اور یہ بغیر کسی ستون کے صرف بیرونی دیواروں پر کھڑا ہے۔

یہ مسجد دنیا کی ”اٹھارویں“ سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کے وسیع و عریض ہال میں پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

یہ مسجد، کراچی کے اہم سیاحتی مقامات میں سے ہے۔ لوگ دور و نزدیک سے اس دیدہ زیب مسجد کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔

بقیہ: چوکی دار کی قربانی

سلام دعا کے بعد لکھا تھا:

”یار کرم دین! میں تو تمہیں ایک عام سا بندہ سمجھتا رہا، مگر تم تو بہت بڑے آدمی نکلے۔ اتنے بڑے کہ تمہارے سامنے مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہوا۔ مجھے تمہارے بارے میں کچھ باتیں کہیں سے پتا چلی تھیں، پھر میں نے سارا دین تمہارا پیچھا کیا اور حاکم علی کے گھر تک جا پہنچا۔ وہاں سے مجھے تمہارے بارے میں باقی سب پتا چل گیا اور جب تمہارے گھر آیا تو پتا چلا کہ تمہارے اپنے گھر کے حالات بھی بالکل انہی لوگوں جیسے ہیں۔

کرم دین! یہ کچھ چیزیں عید کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔ تمہیں اللہ کا واسطہ! انکار نہ کرنا۔ آج سے تمہارے اور باقی پانچوں گھروں کا سارا خرچ میرے ذمے۔ باقی باتیں شام کو بیٹنگ پر کرتے ہیں اور ہاں، آج ڈیوٹی پر ذرا جلدی آ جانا۔

من جانب

تمہارا سیٹھ

کرم دین کی آنکھوں سے آنسو نکل کر چھٹی کی تحریر بگاڑ رہے تھے اور اس کی زبان پر بے اختیار جاری تھا۔

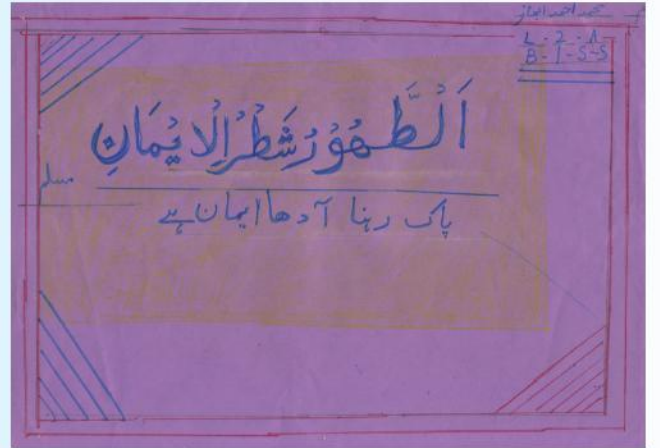
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ

49

دقائق

جولائی

2023



محل اور مجلس

سائرہ شاہد۔ ڈیرہ غازی خان

تو گلاب رازداری سے مسکرانے لگا۔
”سب سے پہلے پیارے آقا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر
درود پاک پڑھ لو، پھر سننا ہوں۔“

گلاب نے جھومتے ہوئے کہا تو اُس کی بات سن کر باغ کے تمام
پھولوں نے درود پاک پڑھا۔

”پتا ہے، وہ خوب صورت واقعہ جو میرے ذہن میں آیا ہے، وہ
بھی پیارے آقا ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق ہے۔“

گلاب نے ان کی توجہ اپنی طرف کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا
تو باغ میں اُڑتی ہوئی رنگ برنگی تتلیاں، بھنورے اور درختوں پر
چھپاتے ہوئے پرندے بھی خاموش ہو گئے۔ ان سب کے کان اب
گلاب میاں کی آواز سننے کو بے تاب تھے۔ گلاب نے بات شروع
کرتے ہوئے کہا:

”مکہ مکرمہ، عرب کا وہ خوش نصیب شہر ہے جس میں ہمارے
پیارے آقا ﷺ کی پیدائش ہوئی۔“
”صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!“

پیارے آقا ﷺ کا نام آتے ہی تمام سامعین نے عقیدت
سے درود پاک پڑھا۔

”جب آپ ﷺ نے مکے کے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام
پہنچایا اور انھیں ایک خدا کی عبادت کرنے کی تلقین کی تو کچھ اچھے
لوگوں نے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی بات پر یقین کیا اور اُن
کی نبوت پر ایمان لے آئے۔“

گلاب نے اتنا کہا اور سانس لینے کے لیے
رُکا۔

”آپ ﷺ صادق اور امین تھے نا!
اس لیے اچھے لوگوں نے اُن کی ہر بات پر

یہ ایک بہت خوب صورت باغ تھا، جہاں مختلف اقسام کے رنگ
برنگے پھول کھلتے تھے۔ خاص طور پر گلاب، چنبیلی، موتیا اور سورج
مکھی کے پھول نرالی چھب دکھلاتے تھے، یعنی گل اور گلشن، دونوں
خوش بوؤں سے معطر تھے۔

”السلام علیکم! صبح بخیر بھیا!“

سورج مکھی کے پھول نے آنکھیں کھولیں تو اپنے قریب کھڑے
سُرخ گلاب کو سلام کیا۔ گلاب میاں نے سلام کا جواب دیا، جو شبنم
کے چمک دار قطروں سے غسل کر چکے تھے اور اب تروتازہ دکھائی
دے رہے تھے۔

”گلاب بھیا! کیا بات ہے؟ آج آپ کافی خوش لگ رہے
ہیں۔“

چنبیلی کے پھول نے گلاب کے چہرے پر تروتازگی دیکھی تو سوال
کیا۔

”جی الحمد للہ! میں بہت خوش ہوں، کیوں کہ آج صبح ہی صبح ایک
خوب صورت اور دل نشین واقعہ میرے ذہن کے گوشوں میں تازہ ہوا
ہے۔“

گلاب نے لمبی سانس لیتے ہوئے جواب دیا تو
موتیا کے پھول نے انگڑائی لی۔

”کیسا واقعہ گلاب بھیا! ہمیں بھی
بتائیں، تاکہ ہماری سستی دور ہو جائے۔“
موتیا نے جمائی لیتے ہوئے فرمائش کی



51

جولائی

2023

”جی بالکل مدینہ منورہ! آپ ﷺ کچھ سال وہاں رہے اور کفار مکہ سے جنگیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد اصل چیز کیا ہے، کسی کو معلوم ہے؟“

گلاب نے سوال کرتے ہوئے سب کی طرف دیکھا۔
 ”پیارے آقا ﷺ اور اُن کے ساتھیوں نے کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگیں جیت لیں۔“
 چڑیا نے چچھاتے ہوئے جواب دیا۔

”جی بالکل ٹھیک! اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، ہمارے پیارے آقا ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ایک فاتح کی حیثیت سے اُس شہر مکہ میں داخل ہوئے، جہاں کفار نے ان پر ظلم ڈھائے تھے۔ آہا! کیا ہی خوب صورت اور دل کش منظر ہوگا جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تھے اور کافروں کے دل ڈرے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے خوف سے زرد ہو چکے تھے کہ اب پیارے آقا ﷺ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔“

گلاب نے مزہ لیتے ہوئے بتایا تو سب سے پہلے ننھی تتلی نے ”اسلام، زندہ باد!“ کا نعرہ لگایا اور سب نے مل کر درود پاک پڑھا۔
 ”پھر پتا ہے کیا ہوا؟“

گلاب نے سوال کرتے ہوئے سب کی طرف دیکھا، لیکن سب خاموش تھے تو گلاب دوبارہ بتانے لگا:

”پھر آسمان اور زمین نے ایک حیرت انگیز اور بے مثال منظر دیکھا۔ فاتح مکہ، یعنی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ وہ دشمن جو آپ ﷺ کی جان کے درپے تھے، آپ ﷺ نے فاتح ہو کر بھی انھیں کوئی سزا دیے بغیر معاف فرما دیا۔“

گلاب کی یہ بات سُن کر سب حیرت زدہ رہ گئے۔
 ”کیوں کہ پیارے آقا ﷺ رحمت للعالمین ہیں، انھوں نے کبھی اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بُرا سلوک نہیں کیا اور حسن اخلاق کی اعلیٰ مثال قائم کی۔“

فوراً یقین کر لیا اور اُن کی ہر بات کو دل سے تسلیم کیا۔
 سورج مکھی کے پھول نے خوش ہو کر بات آگے بڑھائی۔
 ”وہ لوگ کون تھے گلاب چچا! جو پیارے آقا ﷺ کی باتوں پر ایمان لے آئے؟“

ایک ننھی تتلی نے سوال کیا تو گلاب نے شفقت سے اس کے پنکھ سہلائے اور جواب دیا:
 ”بہت اچھا سوال ہے ننھی تتلی! وہ پیارے لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہلاتے ہیں۔“
 ”سبحان اللہ!“

پھول اور پرندے یک زبان ہو کر بولے۔
 ”گلاب بھیا! اب جلدی سے یہ بتائیے کہ آپ کس واقعے کو یاد کر کے خوش ہو رہے تھے؟“
 چنبیلی نے اپنی جلد باز طبیعت کے باعث کہا تو تمام پھول مسکرانے لگے۔
 ”صبر صبر، گلاب بھیا کو بات مکمل کرنے دیں۔“
 سنہری چڑیا نے چنبیلی کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور گلاب نے بات آگے بڑھائی۔

”اچھا ہم کہاں پہنچے تھے؟ ہاں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیارے آقا ﷺ کی بات مانی اور ایمان لے آئے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے۔ وہ آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ کفار مکہ ایسے بدنصیب لوگ تھے، جنھوں نے آپ ﷺ اور اُن کے ساتھیوں، یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔“

”واہ مدینہ منورہ! جہاں سبز گند ہے۔“
 شہد کی مکھی نے جھنسناتے ہوئے کہا، جو ابھی ابھی باغ میں داخل ہوئی تھی۔

نحوست

ہانیہ عبدالشکور - لاہور

سے وفادار ملازم ہے) منحوس ہے اور اُس کا وجود احسن کے لیے بُرا ہے۔ دراصل قدرت کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ یکے بعد دیگرے چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے احسن نے یہ وہم اپنے ذہن میں پال لیا۔ مثال کے طور پر ایک دن علی بخش ایک گل دان اٹھا کر لا رہا تھا کہ زمین پر پھسلن کے باعث وہ لڑکھڑا کر گر ا اور گل دان ٹوٹ گیا۔ احسن اس وقت کرکٹ

کھیلنے جا رہا تھا، جس میں اس کی ٹیم کو بدترین شکست ہوئی۔ واپس آ کر اُس نے واویلا شروع کر دیا کہ گل دان کے ٹوٹنے اور علی بخش کی نحوست کی وجہ سے وہ کھیل ہارا ہے۔

”ہاں بتاؤ، تمہیں علی بخش سے کیا مسئلہ ہے؟“

”بابا! آپ کو پتا تو ہے کہ وہ منحوس ہے، اس کی وجہ سے سب کام خراب ہو جاتے ہیں۔“

”کیسے؟“ وقار صاحب نے اس بار اطمینان سے کہا۔

”جب اس کی شکل دیکھتا ہوں میرا کام خراب ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے میں کرکٹ ہار گیا۔ اسکول جانے سے پہلے جب اس کی شکل دیکھتا ہوں اسکول میں نمبر اچھے نہیں آتے، کھیلنے کے دوران میں جب وہ آتا ہے تو مجھے چوٹ لگ جاتی ہے۔“

”اور تمہیں لگتا ہے کہ اس سب کا ذمہ دار علی بخش ہے؟“

”جی! اور کون ہے بھلا!؟“

”جہاں تک تعلق ہے“

”یہ لیجیے جناب! یہ تو ہو گیا۔ میرے لائق کوئی اور خدمت؟“ علی بخش ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

”ارے نہیں بھائی! کافی ہے۔ آج تم نے پہلے ہی بہت محنت کی ہے۔ جاؤ، جا کر کچھ دیر آرام کر لو۔“ وقار صاحب، احسان مندی سے بولے۔

”بابا! یہ ابھی تک گیا نہیں؟ آپ نے اسے کیوں نہیں نکالا بابا!؟“ احسن، علی بخش کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھا۔

”علی بخش! تم جاؤ اور احسن! تم میرے کمرے میں آؤ۔“ وقار صاحب غصے اور سنجیدگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بولے۔

احسن، وقار صاحب کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ جہاں بے جالاڈ پیار نے اسے ضدی اور بدتمیز بنا دیا تھا، وہاں وہ آج کل ایک اور وہم میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ”علی بخش کا وہم۔“

اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ علی بخش (جو وقار

صاحب کا دیرینہ اور سب

کیوں پیدا کریں گے؟ اللہ پاک ایسا نہیں کرتے۔ ہاں، کچھ چیزیں ایسی ہیں جو واقعی منحوس ہیں اور وہ ہیں ”گناہ“، جن کی وجہ سے ہماری خوشیاں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ جیسے جھوٹ بولنا۔ اس کی نحوست اور بدبو سے فرشتے دور بھاگ جاتے ہیں۔ گناہ ایسی چیز ہے جس سے اللہ پاک کی رحمت دور ہو جاتی ہے اور اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز کی نحوست سے بچنا ہے تو گناہوں کی نحوست سے بچو۔ اگر گناہوں کی نحوست سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہو گے۔“

”معاف کر دیجیے بابا! میں واقعی بہت غلط سوچتا تھا۔“
 ”بیٹا! معافی علی بخش سے مانگو، جس کا تم نے دل دکھایا ہے اور دل دکھانا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔“
 ”جی بابا! میں ابھی علی بخش سے معافی مانگتا ہوں اور ساتھ ہی کوئی اچھا ساتھ بھجی دے دوں گا۔“

یہ کہہ کر احسن اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور وقار صاحب مسکرانے لگے۔

بقیہ: گل اور گلشن

موتیا کے پھول نے جھومتے ہوئے بتایا تو تمام پھولوں نے ”بے شک“ کہا۔

”نتیجہ یہ نکلا کہ فتح ملکہ موقع پر بہت سارے لوگ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور اسلام کا نور پورے جہاں میں پھیل گیا۔ یہ ہمارے پیارے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی بہترین سیرت کا ایک ننھا سا پہلو تھا اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جہاں آپ ﷺ نے لازوال مثالیں قائم کی۔“

گلاب نے عقیدت سے سر جھکاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تو تمام پھولوں اور پرندوں نے اپنے اخلاق سنوارنے کا عہد کیا اور محبت سے درود پاک پڑھا۔ اس طرح باغ کی فضا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مدحت رسول ﷺ سے معطر ہو گئی۔

کرکٹ ہارنے کا تو وہ تم لوگ اس لیے ہارے کہ پہلی بات تو یہ کہ تم لوگوں کے کھلاڑی پورے نہیں تھے۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری ٹیم کے اچھے کھلاڑی اس دن بیمار تھے اور نئے کھلاڑی، جنہیں تم نے چنا وہ نا تجربہ کار تھے، اس لیے اچھا کھیل پیش نہ کر سکے اور تم لوگ بُری طرح ہار گئے۔ کیا ایسا نہیں ہوا تھا؟“

”جی ہوا تھا، پر باقی چیزوں کا کیا؟“
 ”ٹیسٹ میں تمہارے کم نمبر علی بخش کی وجہ سے نہیں، بل کہ تمہارے راتوں کو نہ سونے کی وجہ سے آئے ہیں۔ جو تم رات رات بھر جاگ کر گیم کھیلتے رہتے ہو، پھر اسکول میں سوتے ہو اور کسی چیز پر توجہ نہیں دے پاتے۔ تمہارے استاد صاحب نے بتایا تھا کہ تم روزانہ جماعت میں سوتے ہو۔“

”لیکن میں ٹیسٹ کی تیاری تو کرتا ہوں۔“
 ”صرف ٹیسٹ کی تیاری کرنا کافی نہیں۔ ذہن کو صحیح کام کرنے کے لیے وقت پر مناسب نیند کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ پھر ٹیسٹ میں تم جس قوم کو غلطیاں کرتے ہو، رات بھر جاگنے کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔“

”اور مجھے چوٹ کیسے لگتی ہے بھلا؟!“
 اس مرتبہ ذرا سا شرمندہ ہو کر احسن نے پوچھا۔

”تمہیں چوٹ علی بخش کی وجہ سے نہیں لگتی، بل کہ تم نے اپنے ذہن میں جو وہم پال لیا ہے یہ اس کا اثر ہے۔ انسانی دماغ ایسا ہی ہے، جو ہم اس میں بٹھالیتے ہیں، پھر ہمیں وہی سچ لگنے لگتا ہے۔ تم نے چوں کہ یہ سوچ لیا ہے کہ تمہیں علی بخش کی وجہ سے چوٹ لگتی ہے، لہذا اُس کے آنے پر تمہاری توجہ کھیل سے ہٹ جاتی ہے اور تم چوٹ کھا بیٹھتے ہو۔ انسان اگر اپنے دماغ میں مثبت خیالات لائے تو اُس کے ساتھ مثبت کام ہوتے ہیں اور اگر منفی سوچے تو منفی کام ہوتے ہیں۔

بیٹا! اللہ پاک نے کسی چیز یا شخص کو منحوس نہیں بنایا۔ یہ ہمارے دماغ کی اختراع ہے۔ بتاؤ، بھلا اللہ پاک جو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، اپنے بندے کو منحوس

ایک بچہ اپنی کو
میزرک کروائیں

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

”قرآن کریم کے نور کو پھیلانے میں ساتھ دیں“

ایک بچہ اپنی کو
حفظ کروائیں

کوئی بچہ اپنی تعلیم سے محروم نہ رہے

اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے ساتھ دوسرے بچوں کی بھی فکر کیجیے۔
قوموں کے عروج و زوال میں ہمیشہ تعلیم و تربیت کا اہم کردار رہا ہے، جو قومیں علم و ہنر کو اپناتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں۔
آئیے جہالت کو ختم کرنے اور معاشرہ سنوارنے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔
اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کوشش کریں کہ ایک غریب والد کے بچے/بچی کو حافظ، عالم بنائیں یا میٹرک کروائیں۔
جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے تو یہ ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

حفظ و درس نظامی (عالم)

□ ماہانہ ہدیہ =/5,500 □ پورے سال کا کل ہدیہ =/66,000
□ ایک حصہ =/16,500 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

ایک حصہ

پورے سال کی کل ٹیوشن فیس

ماہانہ ٹیوشن فیس

اسکول

17,610/= □	70,440/= □	5,870/= □	مونٹ لیول 1 سے کلاس 8:
20,100/= □	80,400/= □	6,700/= □	کلاس 9 سے 10:
28,050/= □	112,200/= □	9,350/= □	کلاس 11:
30,300/= □	121,200/= □	10,100/= □	کلاس 12:
30,000/= □	120,000/= □	10,000/= □	اولیول:

□ معاون کا ماہانہ خرچہ =/33,000 □ پورے سال کا کل خرچہ =/400,000

□ ایک حصہ =/100,000 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

مکتب

تعاون کی مددیں آپ کی طرف سے عطیہ، زکوٰۃ اور نفلی صدقہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مال کو قبول فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ آمین

وضاحت: بسا اوقات ایک طالب علم کے والد/سرپرست مکمل خرچہ نہیں دے سکتے تو آپ کا دیا ہوا ایک اسپانسر 2 یا 3 بچوں کا بھی سہارا بن سکتا ہے۔

حسابات ٹھیک رہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ رسید ضرور حاصل کریں۔ رابطہ نمبر: 0323-8007027, 0323-8007019

بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات

زکوٰۃ کے لیے:

برائے اسکول/مدرسہ

عطیات کے لیے:

Bait-ul-Ilm Educational Welfare Society
01790106776645
Meezan Bank (Soldier Bazar)

Al-Badar Al Barakah School
01790103197698
Meezan Bank (Soldier Bazar)

زکوٰۃ کے لیے:

برائے مدرسہ

عطیات کے لیے:

Bait-ul-Ilm Trust (Zakat)
0179-0101662094
Meezan Bank (Soldier Bazar)

Bait-ul-Ilm Trust (Donation)
0179-0101662095
Meezan Bank (Soldier Bazar)

BAIT-UL-ILM EDUCATIONAL WELFARE SOCIETY

(NTN: 8966027) A Non-Profit organization having

Tax credit for Trusts/Welfare Institutions.

Therefore, your donations will be tax-exempted.

Non-Profit Organization u/s 100C

Note:

بیت العلم انجکیشن ویلفیئر سوسائٹی

(NTN: 8966027) کا حامل (ایک غیر منافع بخش ادارہ ہے،

جس کے اس ٹرسٹ/فلاحی ادارے/غیر منافع بخش ادارہ

برائے 100C کے تحت ٹیکس کریڈٹ ہے۔

لہذا ادارہ میں رقم جمع کروا کر آپ ٹیکس میں اضافی حاصل کر سکتے ہیں۔

نوٹ:

نام: _____ ولدیت: _____

کمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے
بلا عزون ۱۹۱

نام: _____ ولدیت: _____

کمل پتا: _____

فون نمبر: _____

کوپن برائے
ذوق ۸۹
فصلومات

نام: _____ ولدیت: _____

کمل پتا: _____

فون نمبر: _____

سوال آڈھا ۳۶
جواب آڈھا

ہدایات: جوابات ۳۱، جولائی ۲۰۲۳ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہئیں..... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا.....

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قریب اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

Kids
Collection Shoes
Since 1999

KIDS COLLECTION SHOES
Best Footwear Collection for Kids

**Full Variety Of School
Shoes Available In All
Sizes.**



Summer Collection On Display



0316-2709797

SUNDAY OPEN

**Branch 1: Shop #09, Star Center Near Chawla Center,
Main Tariq Road, Karachi.**

Tel:021-34315359

**Branch 2: Shop #01, Saima Paari Glorious
Opposite Sindh Lab, Main Tariq Road, Karachi.**

Tel:021-34382622

Registered NO. M. C. 1241 ذوق شوق



15% OFF
ON WEB ORDERS
www.meato.pk

100%
حلال
GUARANTEED



- Cuts As Per Your Choice
- Fast Delivery
- Halal, Fresh And Hygienic Meat
- Money Back Guarantee

آپ اپنی پسند کے مطابق بنوائیں
حلال، تازہ اور صحت بخش گوشت
منی بیک گارنٹی کے ساتھ
گھر پہنچانے کی بروقت سروس موجود ہے

D.H.A OUTLET:

Chota Bukhari Commercial Arena Phase 6
Defence Housing Society 📞 03361116328

SHARFABAD OUTLET:

Jamaluddin Afghani road, Sharfabad, karachi
(beside IMTIAZ EXPRESS) 📞 03172037777

FARM:

Plot No.520, Memon Goth, Behind Karachi Public
School Malir Campus Next To Organic Fertilizer

الديباج

— Al Deebaj —

- Ready to wear
- Customised Stitching
- Fragrances
- Caps
- Unstitched Fabrics

D.H.A:

Shop no.1 Plot no.12C Near Baitussalam Masjid, Sunset Set Commercial Street Phase IV DHA

DHORAJEE:

Shop no. 29, Adjacent Kibriya Masjid Near Zubaida Hospital

🌐 al-deebaj.com